الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ

حضور حافظ ملت

اسلام نے مسلمانوں کے باہمی اتفاق [illegible]

[illegible]

فروری ۲۰۲۳ء



مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیر سرپرستی:
عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ
سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ | فروری ۲۰۱۶ء | جلد نمبر ۴۰ شمارہ ۲

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے
سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

کوڈ نمبر —— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ —— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ —— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
20 $ امریکی ڈالر   15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org   E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشـــــــــمـــــــــولات

اداریہ

موجودہ دہشت گردی اور اسلامی تقاضے

عالمی سطح پر اس کا نشانہ نوّے فیصد سے زیادہ مسلمان بنتے ہیں

مبارک حسین مصباحی

ہر دور میں جہالت وسفاکیت اور ظلم ودہشت گردی کے الم ناک واقعات رونما ہوتے رہے ہیں مگر افسوس ۲۰/۲۵ برس سے جدید دور کی جدید دہشت گردی شروع ہوئی ہے۔ اس وقت دنیا کے بیشتر ممالک میں حیرت انگیز احوال وکوائف کا سامنا ہے۔ افغانستان، عراق، شام، یمن، سوڈان، صومالیہ، لیبیا، انڈونیشیا، پاکستان، افریقہ، فلسطین، امریکہ، برطانیہ اور ہندوستان وغیرہ ممالک میں عجیب وغریب صورت حال ہے۔ عام طور پر حساس سیاسی مسائل پیدا کر دیے ہیں، کب کہاں کیا ہوجائے، قبل از وقت کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا، دہشت گرد کون لوگ ہیں، اس کا تعلق نہ کسی خاص قوم ومذہب سے ہے اور نہ کسی خاص ذات اور ملک سے۔ جرائم کے اس بہتے دریا میں یہودی، عیسائی، ہندو، سکھ اور مسلمان وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ عالمی سطح پر اس کا نشانہ نوے فیصد سے زیادہ مسلمان ہی بنتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کے اسباب کیا ہیں؟ ان دہشت گردوں کو تیار کون کرتا ہے، ان کی سوچوں میں قتل وغارت گری، تباہ کاری اور خودکشی کے جذبات کہاں سے پیدا ہوتے ہیں۔ دہشت گردی اور خودکشی وغیرہ نہ اسلام میں پہلے کبھی جائز تھی اور نہ آج جائز ہے۔ پھر دوسروں کو مارنے کے لیے اپنے جسموں پر بم باندھنا اور خود کو موت کے گھاٹ اتار کر دوسروں کو قتل کرنا جہاد کہاں سے ہوگیا؟ آج کی نشست میں ہم غیر مسلموں سے نہیں بلکہ ان نام نہاد جہادیوں کے تعلق سے گفتگو کریں گے، جنھوں نے جہاد کے نام پر پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کو بدنام اور رسوا کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ آپ ایک نظر ان مشہور تنظیموں پر ڈالیں، طالبان، القاعدہ، لشکر طیبہ، داعش، جیش محمد، حرکت المجاہدین، الشباب وغیرہ جہادیوں کی ایک طویل فہرست ہے۔

ان تمام تحریکوں پر آپ تجزیاتی نظر ڈالیں اور ان کے افکار ومعمولات کا گہرائی سے جائزہ لیں تو آپ کو اندازہ ہوگا، ان میں ایک بھی سچا سنی اور صوفی مسلمان نہیں، عام طور پر ان کے حملوں کا نشانہ مسلمان بنتے ہیں، بزرگان دین کے مزارات بنتے ہیں، اسلام کے تاریخی آثار بنتے ہیں۔ آپ دور مت جائیے، حرمین طیبین کو دیکھ لیجیے، وہاں جس بری طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مزارات کے ساتھ کھلواڑ کیا ہے، ان کی یادگاروں کو نیست ونابود کیا ہے، انھیں دیکھ کر ایک بندۂ مومن آج بھی خون کے آنسو روتا ہے۔ ان کے مشہور قبرستانوں، جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کو جس بے دردی کے کے ساتھ تباہ کیا گیا ہے، قیامت خیز حادثات سے مسلمانوں کے دل دہل جاتے ہیں، والدینِ مصطفیٰ ﷺ کی مقدس قبروں کو بھی شہید کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت ونور کی مسلسل بارش فرمائے، دنیا میں جہاں جہاں انبیاے کرام، صحابۂ عظام اور اولیاے ذوی الاحترام کے مزارات ہیں، ان کی بے حرمتی کا بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اور ان باطل نظریات کو عملی میدانوں میں اتارنے کے لیے آج بھی مسلسل مصروفِ عمل ہیں۔

اس وقت ہم پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ ان دہشت گردوں کے پاس اتنا کثیر سرمایہ اور جدید ترین وافر اسلحہ کہاں سے آتا ہے؟ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ یہ دہشت گرد خود ہی اسلحہ تیار کریں اور خود ہی ان کا استعمال کریں۔ ان کے پیچھے یقیناً کچھ ممالک ہیں جن کے تعاون سے یہ دہشت گرد اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر سب کچھ کرنے اور کرانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ بظاہر یہ بھی سچ ہے کہ دنیا کے چند ممالک زبانی طور پر ان کی مذمت بھی کرتے ہیں، اور ان کی تباہی کی کوششیں بھی کرتے ہیں مگر یہ دہشت گرد تنظیمیں نام بدل بدل کر دنیا میں پھیلتی جارہی ہیں اور دن بہ دن ان میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ فکری مغلوبیت کے ساتھ یہ اسباب جنگ ان کے پاس کہاں سے آرہے ہیں؟ بقول منولال وفاؔ

ع: کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

اس بحث کو ہم یہاں چھوڑتے ہیں اور اب چند تازہ ترین دہشت گردانہ حادثات کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ ۲/ جنوری

۲۰۱۶ء کو ہندوستان کے پٹھان کوٹ ایئر بیس پر دہشت گردانہ حملہ ہوا، سوال یہ ہے کہ اتنا محفوظ مقام جہاں کثیر تعداد میں ایئر فورس رہتی ہے، جہاں جدید ترین حفاظتی انتظامات ہیں، یہ حملہ آور وہاں داخل کیسے ہوئے؟ ان دہشت گردوں کا تعلق بھی ''جیش محمد'' سے بتایا جارہا ہے۔ اس دہشت گردانہ مسئلہ کو لے کر ہند و پاک ہی نہیں بلکہ دنیا کے متعدّد ممالک سر کھپا رہے ہیں — امریکی وزارتِ خارجہ کے ترجمان جان کیری نے اس پورے خطے کے تمام ممالک سے دہشت گردی کے نیٹ ورک کو ختم کرنے کی اپیل کی ہے۔ امریکہ نے ہندوستان اور پاکستان پر زور دیا ہے کہ ان دہشت گردوں کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں، ان حالات میں ہم سوال کر سکتے ہیں کہ ان دہشت گردوں کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ اتنی کثیر فوج کے درمیان انھیں مارا بھی جاسکتا ہے۔ اسی طرح سعودی عربیہ، یمن پر مسلسل حملے کر رہا ہے، اس کے حقائق پر بھی بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ ملک شام کو بھی حملہ آوروں نے نشانہ بنایا ہے اور شامیوں کے ایک طبقے کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ۱۴/ جنوری ۲۰۱۶ء کو انڈونیشیا کے دار الحکومت جکارتا میں ہونے والے حملوں میں ۴/ حملہ آوروں سمیت ۷/ افراد ہلاک ہوگئے، یہ دہشت ناک حادثہ ایسے وقت پیش آیا جب ایک روز قبل افغانستان کے شہر جلال آباد میں پاکستانی قونصل خانے پر حملہ ہوا، جس کی ذمہ داری شدت پسند تنظیم داعش نے قبول کی۔

صومالیہ کی شدت پسند تنظیم ''الشباب'' نے جنوبی قصبے ''الادی'' کے باہر افریقی یونین کے فوجی مرکز پر قبضہ کر لیا ہے۔ شدت پسند تنظیم کا کہنا ہے کہ اس نے افریقی یونین کے فوجی کیمپ پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا ہے اور ساٹھ سے زائد کینیائی فوجیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ مقامی شہریوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے فوجی کیمپ پر اپنا جھنڈا لہرا دیا ہے اور قصبے میں ہلاک شدہ فوجیوں کو گھما کر ان کی بے حرمتی کی ہے۔ الشباب کے ایک اہل کار نے ''بی بی سی'' کو بتایا کہ انھوں نے صبح کی نماز کے بعد حملہ کیا اور عمارت میں داخل ہونے سے پہلے کار بم دھماکہ کیا، اس نے بتایا کہ ہم نے ایک گھنٹے تک شدید لڑائی کے بعد بیس کیمپ پر کنٹرول حاصل کیا، ہم نے کینیا کی فوجوں کی ۶۳/ لاشیں شمار کی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کی دہشت گردی کا اسلام میں جواز کہاں ہے؟

افریقی ملک برکینا فاسو میں دہشت گردوں کے حملے میں ۲۲/ افراد ہلاک اور ۱۵/ زخمی ہوگئے، شدت پسند گروہ ''القاعدہ ان اسلامک مغرب'' نامی تنظیم نے اس حملے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ نومبر میں افریقی ملک مالی کے دار الحکومت باماکو میں شدت پسندوں نے ہوٹل پر حملہ کیا، عینی شاہدین کے مطابق تین سے چار نقاب پوش افراد نے حملہ کیا، ہوٹل میں اقوامِ متحدہ کا اسٹاف اور غیر ملکی افراد مقیم تھے۔ اس حملے میں ۲۰/ افراد ہلاک ہوئے تھے۔

۱۸/ جنوری ۲۰۱۶ء کے اخبارات میں یمن میں محاذِ جنگ سے اطلاعات آئی ہیں کہ اتحادی ممالک کے جنگی طیاروں اور زمینی فورسیز کی تازہ کارروائیوں میں باغی حوثی گروپ کے ایک اہم لیڈر سمیت کم سے کم ۵۴/ افراد ہلاک اور بیسیوں زخمی ہوگئے ہیں، افغانستان میں ڈرون حملے اور آپریشن داعش کے ۵۵/ جنگ جوؤں سمیت ۹۲/ دہشت گرد ہلاک ہوگئے۔ ان میں ۳۷/ طالبانی بھی مارے گئے۔

یہ چند باتیں ہم نے تازہ احوال کی روشنی میں پیش کی ہیں۔ اس سے قبل القاعدہ کی سرگرمیاں تھیں، اس کے بعد ''داعش'' کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، بلکہ یکے بعد دیگرے نت نئے نام آتے رہتے ہیں، اگر ان کے پیچھے کوئی منظم سازش نہیں ہے تو ایسا کیوں ہوتا ہے؟ مسئلہ صرف مردوں کی گردنوں کو فٹ بال بنانے تک محدود نہیں ہے، بلکہ کروڑوں ڈالر کی تباہی بھی ہو رہی ہے۔ داعش نے سب سے آگے بڑھ کر اپنے درمیان ایک خلیفۂ راشد بھی پیدا کر لیا ہے۔ ہزاروں نوجوان لڑکیوں کو اغوا کیا گیا ہے، ہزاروں عورتوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا گیا ہے، بے شمار بچوں کو بھی قتل و غارت گری کی دردناک منزلوں سے گزارا گیا ہے، یہ سارے ناپاک سلسلے آج بھی جاری ہیں۔

آپ ذرا ماضی کی جانب ایک نظر ڈالیں، امریکہ میں ۹/۱۱ کا قیامت خیز حادثہ ہویا، برطانیہ میں ۷/۷ کا خونی منظر، بمبئی میں تاج محل ہوٹل کا دردناک واقعہ ہو یا مالیگاؤں، مکہ مسجد حیدر آباد، اجمیر شریف میں حضرت خواجہ غریب نواز کی خانقاہ وغیرہ کے بم دھماکے ان کے پیچھے کون سی طاقت کار فرما ہے۔ وادیٔ کشمیر میں مسلسل ہند و پاک کی فوجوں اور دہشت گردوں کی قیامت خیز کشمکش ہے، فرانس میں چارلی ہیبڈو حملے ہوں یا کینیا کی یونیورسٹی میں طلبہ کا قتل عام، افغانستان میں دو دہائی سے جاری جنگیں ہوں یا پاکستان کے بازاروں، مسجدوں، امام درگاہوں اور مزاروں پر دہشت گردانہ حملے۔

سوال یہ ہے کہ غیر مسلموں سے تو ہم اپنی بات کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہی رہتے ہیں اور آئندہ بھی کہتے رہیں گے، مقامِ افسوس یہ ہے کہ ان مسلمانوں سے کیا کہا جائے جو یہ سارے کارنامے بنام جہاد انجام دے رہے ہیں۔ جہاد کا یہ مفہوم کسی دور میں روا نہیں رہا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ اسلام نے اپنے پاکیزہ نظام کی برکت سے پوری دنیا سے غلاموں اور باندیوں کا سلسلہ ختم کر دیا ہے، مگر داعش نے اب پھر ان دونوں نظاموں کو جاری کرنے کا اعلان کیا ہے۔ کیا یہ دہشت گرد گروپ اسی اسلام کے ماننے والے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی مصطفیٰ جانِ رحمت لے کر آئے تھے۔

اب ذرا ان دہشت گرد تنظیموں پر ایک تجزیاتی نگاہ ڈالیں، ان کے افکار و معمولات کا مطالعہ کریں اور ان کے سیاسی اور سماجی کارناموں کا گہرائی سے جائزہ لیں، آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان کا تعلق کسی طرح بھی نہ ہمارے پیغمبر ﷺ سے ہے اور نہ ان کے بلند رتبہ صحابۂ کرام سے، نہ تابعین سے ہے اور نہ تبع تابعین سے، نہ ائمہ مجتہدین سے ہے اور نہ اولیائے کرام سے، ہاں ان کا تعلق مغربی ممالک کے سیاسی لیڈروں سے ہے۔ اسلام دشمن ممالک کی قلبی آرزو ہے کہ دنیا میں مسلمان باہم لڑیں، ان کی قدیم تاریخی یادگاروں کے نام و نشان مٹا دیے جائیں، اپنے اسلاف اور بزرگانِ دین سے ان کا رشتہ توڑ دیا جائے، ان کے دلوں سے صلاح و فلاح کے جذبات ختم کر دیے جائیں، دنیا کے ہر گوشے میں اسلام اور مسلمان رسوا ہو جائیں۔ یہ مسلمان جنھوں نے دنیا کو پڑھنے لکھنے کا شعور عطا کیا، آج جہالت و سفاکیت کی تصویر بن جائیں، ان کی روشن تاریخ رسوا ہو جائے، ان کے علوم و فنون کا جنازہ نکل جائے، ان کی عورتوں کی عصمت و عفت سرِ عام لوٹی جائے، ان کی اربوں کی جائدادیں تباہ و برباد ہو جائیں، ان کی اجتماعیت کا شیرازہ بکھر جائے، ان کی اجتماعی قوتیں اس طرح ٹوٹ جائیں کہ مسلمان باہم جنگ و قتال کریں، مسلمانوں کے درمیان باطل فرقے پیدا ہوں، ایک دوسرے کی تفسیق و تکفیر کریں، ایک دوسرے کی جان و مال کے دشمن ہو جائیں، ان کی جوان لڑکیوں کو اغوا کیا جائے اور ان کے ساتھ وہ سب کچھ کیا جائے اسلام میں جس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسکولوں اور مدارس کے بچوں کو قتل کیا جائے، مسلمان ایک دوسرے کے جانی دشمن بن جائیں، اس وقت عالمِ اسلام کے ساتھ جو صورتِ حال برتی جا رہی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ باطل فرقے جس تیزی کے ساتھ بدترین کاموں میں مصروف ہیں، یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس عالمی منظر نامے پر جتنے بھی خون کے آنسو بہائے جائیں وہ کم ہیں۔

ہم آج یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ عہدِ حاضر میں اسلام کو بدنام کرنے کے لیے یہ تصورِ جہاد جو پیش کیا جا رہا ہے، کیا اسلامی نقطۂ نظر سے اس وقت اور ان حالات میں ہمیں جہاد کرنا ضروری ہے۔ کیا جہاد کوئی کھیل ہے کہ جب چاہے اسے کھیل لیا جائے، اس کے بھی شرعی تقاضے ہیں، کیا اس وقت ان جہادیوں کے سامنے اسلامی جہاد کے وہ تمام تقاضے موجود ہیں اور اگر موجود بھی ہوں تو خودکشی وغیرہ جیسی بدترین حرکتیں کرنے کا جواز کہاں سے ہے؟

جامعۃ الازہر کی خاتون پروفیسر سواد صالح نے ایک ٹی وی چینل پر مباحثہ کے دوران کہا "مسلم مردوں کو حالتِ جنگ میں دشمن خواتین کے ساتھ جسمانی تعلقات قائم کرنے کی اجازت ہے، انھوں نے اسرائیل اور فلسطین کی جنگ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ دشمن کی خواتین کو محض جائز جنگ میں باندی بنا کر جسمانی تعلق قائم کرنا درست ہے۔ قیدی بنائی گئی خواتین کے ساتھ مسلمان اپنی بیویوں کی طرح جسمانی تعلقات قائم کر سکتے ہیں، اس باطل بیان کی متعدّد مقامات سے مذمت بھی ہو رہی ہے۔

ذرا ایک نظر آپ سرکارِ مدینہ ﷺ کی سیرت پر ڈالیے۔ آپ خلقِ عظیم کے اعلیٰ شاہکار تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے کارخانۂ قدرت میں آپ جیسا خوب صورت اور بلند اخلاق پیدا ہی نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، "اول ما خلق اللہ نوری و کل الخلائق من نوری" (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور تمام مخلوقات کو میرے نور سے پیدا فرمایا۔) آقا ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد" (یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور بدن کے درمیان تھے۔ ہمارے آقا نے اعلانِ نبوت چالیس برس کی عمر میں فرمایا، اعلانِ نبوت کے بعد آپ کے گرد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بھیڑ جمع ہونے لگی اور زندگی کے مسائل و معمولات کی گتھیاں سلجھانے لگے، ایک بار بارگاہِ رسول ﷺ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، انھوں نے تعلیمِ امت کے لیے بارگاہِ رسول میں تین سوال کیے، پہلا سوال تھا "ما الإیمان" (ایمان کیا ہے؟) پیغمبر ﷺ نے جواب عنایت فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ عزوجل اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور ہر خیر و شر کو اللہ عزو

جل کی تقدیر سے وابستہ مانو۔ ”ما الإسلام“(اسلام کیا ہے؟) اس کے جواب میں آپ ﷺ نے اعمالِ ظاہری کی اصلاح یوں فرمائی کہ تم توحید و رسالت کی گواہی دو، نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان شریف کے روزے رکھو اور اگر توفیق ہو توحج کرو۔ اور ”ما الإحسان“(احسان کیا ہے؟) کے جواب میں آپ ﷺ نے کچھ یوں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اللہ عزوجل کو دیکھ رہے ہو اور اگر اس مقام کو نہ پاسکو تو یہ یقین رکھو کہ اللہ عزوجل تمھیں دیکھ رہا ہے۔ یہی تصوف کی اصل ہے۔

ایک بار مدنی تاج دار ﷺ نے اپنے انصاری صحابی حضرت سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا: اے حارثہ! صبح کیسے کی؟ تو حضرت سیدنا حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ”أصبحت مومناً حقاً“ میں نے اللہ عزوجل پر سچے ایمان پر صبح کی۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے حارثہ! ”انظر ما تقول“ دیکھ کیا کہہ رہا ہے؟ بے شک ہر ایک شے کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے، تیرے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ تو حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میرے نفس نے دنیا سے منہ پھیر لیا ہے، میں محبت الٰہی کے جام پینے کے لیے رات بھر جاگتا رہتا ہوں اور دن بھر پیاسا رہتا ہوں (کہ کب رات ہوگی) میری یہ کیفیت ہے کہ گویا میں عرشِ الٰہی کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں، جنتیوں کو جنت میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے اور اہلِ جہنم کو چلّاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ تو اس پر اللہ عزوجل کے پیارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے حارثہ تو نے حق کو کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، اب اس کو مضبوطی سے پکڑ لے۔ اور ایک روایت میں ہے: ”عرفت فالزم“ یعنی اے حارثہ! تجھے عرفانِ الٰہی کی دولت نصیب ہوگئی، اب اس کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ آپ ﷺ نے دو بار یہ ارشاد فرمایا اور مزید فرمایا کہ حارثہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے دل میں اللہ عزوجل نے نورِ ایمان کی شمع فروزاں کر رکھی ہے۔

(شعب الایمان، حدیث:۱۰۵۹۰، ۱۰۵۹۱، ج:۷، ص:۳۶۲)

مسلم شریف کے حوالے سے مشکوٰۃ المصابیح میں ہے، آقا ﷺ فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے حضرت جبریل علیہ السلام کو پکارتا ہے، فرماتا ہے: میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر تو حضرت جبرئیل بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر آسمان میں ندا کرتے ہوئے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے مقبولیت اتار دی جاتی ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ص:۴۲۵، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بارگاہِ رسول ﷺ میں ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا: آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم (اولیاے کرام) سے محبت کرتا ہے، مگر ان سے مل نہیں سکتا، آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اَلْمَرْأُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ“ انسان اس کے ساتھ ہے جس سے اس نے محبت کی۔ (مشکوٰۃ المصابیح، متفق علیہ، ص:۴۲۶)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس آخری حصے کی توضیح میں فرماتے ہیں۔

یہ خوش خبری ہے ان کے لیے جو صلحا، علما اور اولیا سے محبت رکھتے ہیں، کل میدانِ محشر میں انشاء اللہ وہ ان کی جماعت میں اٹھیں گے اور ان کے ساتھ رہیں گے۔ (اشعۃ اللمعات، ج:۴، ص:۱۲۳)

ان روایات کی روشنی میں ہم آج ان جدید جہادیوں سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ اسلام کی سچائی کو سمجھنے کی کوشش کریں، اسلام میں عقائد و معاملات اور خدا تک رسائی کے تمام طریقے موجود ہیں۔ تاریخ اسلام میں اس کے عملی نمونے بھی ہیں۔ اسلام میں سیاست وقیادت کے اصول و نظریات بھی موجود ہیں۔ ان حالات میں ہم دنیا میں دہشت گردی کرنے والوں سے مخلصانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے اسلام کو گہرائی سے سمجھنے کی کوشش کریں، اسلام نے جنگ و جہاد کے طریقے بھی وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں، وہاں حکم ہے، دوران جہاد نہ بچوں کو مارا جائے، نہ عورتوں کو پریشان کیا جائے اور نہ ہرے بھرے میدانوں کو تباہ و برباد کیا جائے، اسلام کہتا ہے کہ جس نے بلا وجہ ایک انسان کو قتل کیا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا۔ ہمارے سامنے مجاہدین اسلام کی مقدس تاریخ ہے، مگر افسوس ہم نے سب کو بھلا کر اسلام دشمن سازشی ذہنوں کی عملی تصویر بن کر میدان میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، وہ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل عالمِ اسلام کو فکرِ حق اور عملِ حق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ○○○



دورِ طالب علمی اور کسبِ فضل و کمال

علامہ محمد احمد مصباحی

خطاب بموقع تحریری و تقریری مسابقہ، جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریّا یوپی

بتاریخ : ۲۲ر محرّم ۱۴۳۷ھ/۵ر نومبر ۲۰۱۵ء جمعرات ۱۱ر بجے دن

نحمدہ و نصلي علی رسوله الکریم.

أمّا بعد ! اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

میں ناظم ادارہ حضرت مولانا سید محمد انور میاں چشتی اور حضرت مولانا مفتی انفاس الحسن چشتی صدر المدرسین اور دیگر اساتذۂ جامعہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے یہاں حاضری کا موقع عنایت فرمایا۔ یوں تو اپنے اداروں میں حاضری اور اپنے لوگوں سے ملاقات کا اشتیاق برابر رہتا ہے مگر ؎ کوئی تقریب بہرِ ملاقات چاہیے۔

وقت اور حالات کی مساعدت ہوئی تو حاضری و ملاقات ہو جاتی ہے ورنہ سالہا سال کا عرصہ گزر جاتا ہے اور دل کی آرزو دل ہی میں رہ جاتی ہے۔

عزیز طلبۂ کرام! طالب علمی کا زمانہ ایک محدود اور مقرر زمانہ ہوتا ہے جس میں ایک طالب علم کو بہت سے علوم اور کمالات سے آراستہ ہونا ہوتا ہے۔ یہ دور اگر غفلت میں نکل گیا تو پھر ہاتھ نہیں آتا، اس لیے اس زمانہ کو قیمتی سمجھتے ہوئے اپنے اوقات کو مصرف میں لانا تمام طلبہ کی ذمہ داری ہوتی ہے، پہلی ذمہ داری تو یہی ہے کہ جو درسی کتابیں ان کے نصاب میں رکھی گئی ہیں وہ باقاعدہ ان کی تیاری کر کے ان کا درس حاصل کریں، یعنی اگلا سبق کیا ہے اس کے مفاہیم و مراد کو سمجھنے کی از خود کوشش کریں کہ المطالعة هي الاطّلاع علی مراد المصنّف. مطالعہ یہ نہیں ہے کہ سطروں کی سیاہی دیکھ لی اور درسگاہ میں آکر بیٹھ گئے، سمجھا کچھ بھی نہیں، بلکہ مطالعہ یہ ہے کہ مصنف کا مقصد کیا ہے اور اپنی عبارت میں انھوں نے کیا کہنا چاہا ہے، اس سے طالب علم آگاہ ہو جائے اس طریقے سے جب کتاب کی تیاری ہوگی تو درس کا پہلا مرحلہ طے ہوگا اس کے بعد دوسرا مرحلہ استاذ کی تقریر سننے کا ہوتا ہے، وہاں جو اشکال آپ کے ذہن میں آیا ہو اس کو حل کرنے کا موقع آپ کے پاس ہوتا ہے پھر تیسرا مرحلہ اس کے اعادہ کا ہوتا ہے یہ ہر طاب علم کی ہر ایک سبق سے متعلق ذمہ داری ہوتی ہے اور اس طور سے ہر سبق کو طالب علم کے لیے پڑھنا ضروری ہوتا ہے جب اس طریقے سے تمام اسباق کو پڑھ لے گا تو کتاب کے اوپر اس کو عبور حاصل ہو سکے گا اور وہ کتاب کی مراد اور اس کے مقاصد کو سمجھ سکے گا، اس کے ساتھ ساتھ چوں کہ آپ علم دین حاصل کر رہے ہیں، اس لیے علم دین پر عمل کرنا اور دوسروں کے لیے نمونہ بننا بھی آپ کی ذمہ داری میں داخل ہے اسی لیے اس جامعہ میں طلبہ کی عملی تربیت بھی باضابطہ ہوتی ہے ان کو نماز باجماعت کا پابند بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اس زمانے میں اگر پابندی ہوگئی تو پھر اخیر عمر تک پابندی باقی رہے گی اور جب کوئی عالم دین خود پابند ہوگا تو دوسرے بھی اسے دیکھ کر سبق حاصل کریں گے اور اس کی موعظت اس کی نصیحت اور خطاب بھی دوسروں پر اثر انداز ہو سکے گا اور اس کا کردار اس کی گفتار کا مؤید ہوگا اس لیے آپ کو یہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا ہے کہ آپ کو ہمیشہ ماں باپ کی گود میں پرورش نہیں پانا ہے بلکہ آپ کو میدان عمل میں قدم رکھنا ہے اور میدان عمل میں قدم رکھنے کے بعد علم کے ساتھ عمل کی بھی ضرورت پڑتی ہے کیوں کہ علم اور عمل دونوں سے قوم کو فائدہ پہنچانا یہ آپ کا فرض منصبی ہوتا ہے پھر عمل کے میدان میں ہر طرح کی صلاحیتوں کی ضرورت پڑتی ہے کبھی تحریر کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی تقریر کی ضرورت پڑتی ہے اس تحریری و تقریری مسابقہ میں اس جامعہ میں پڑھنے والے بہت کم طلبہ نے حصہ لیا ہے، تحریری مسابقہ میں صرف ۷۴ر طلبہ تھے اور تقریری مسابقہ میں ۲۲ طلبہ تھے۔ جب کہ یہ تعداد بڑھنی چاہیے۔

لیکن تقریر میں آج کا جو چیخ و پکار والا جذباتی انداز ہے وہ اب کارگر نہیں رہ گیا ہے بلکہ سنجیدگی کے ساتھ آپ اپنی بات مخاطب کے دل میں اتارنے کی کوشش کریں جوش و جذبہ اور غصّہ دکھانے کی

کوشش نہ کریں۔ آپ اس طور سے دل پذیر اور متاثر کن تقریر کریں کہ سننے والا سننے کے بعد اس پر غور کرے اور جو کچھ اس سے ہو سکتا ہے اس پر عمل کرے یہ انداز آج دنیا کے تمام تعلیم یافتہ حلقوں کے اندر جاری و ساری ہے اور یہ طریقہ کہ چند منٹوں کے اندر بہت زیادہ جوش و غصہ دکھانا شروع کر دیا بالکل از کار رفتہ ہو چکا ہے آج پڑھا لکھا طبقہ قطعاً اس پر توجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہے اور اس سے قوم کو فائدہ بھی کم پہنچتا ہے جب کہ مقرر کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ لوگوں کے دلوں میں اگر کچھ شکوک و شبہات پیدا ہو چکے ہیں تو ان کا ازالہ کیا جائے ان کے عقائد کے اندر کچھ خامی آ گئی ہے تو اس کو دور کیا جائے عمل کے اندر اگر خرابی ہے تو اس خرابی کو دور کیا جائے اور فکری و عملی اعتبار سے ان کو بہتر اور عمدہ بنایا جائے یہ مقرر کا مقصد ہونا چاہیے۔

مقرر کا مقصد یہ نہیں کہ زیادہ سے زیادہ داد و تحسین حاصل کر لی جائے جیسا کہ نعت خوانی کا یہی مقصد ہو چکا ہے۔ زیادہ داد اور انعام حاصل کرنا مقصد بن گیا ہے، سامعین کا بھی حال کچھ اسی طرح کا ہوتا ہے، پڑھنے والا کیا پڑھ رہا ہے، کیا مدح کر رہا ہے، کیا ثنا کر رہا ہے، اگر حمد ہے تو وہ کیسی حمد بیان کر رہا ہے اس کو نہیں دیکھتے، صرف یہ دیکھتے ہیں کہ نغمگی کیسی ہے، ترنم کیسا ہے اور اسی پر اپنی وارفتگی کا اظہار کرتے ہیں یہ سامعین کی خامی ہے اور اس رواج کی بھی خامی ہے کہ لوگ اسی کے پابند ہو کر رہ جاتے ہیں اور سننے سنانے کا جو مقصد ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں پر اثر پہنچایا جائے، مضمون سے لوگوں کو باخبر کیا جائے اور اپنی بات ان کے دل میں اتاری جائے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے۔

جلسوں میں اگر یہ حال ہے کہ نعتوں کا ایک دور چلا اور پورے مشاعرے کا ماحول بن گیا پھر خطاب کی باری آئی تو وہ بھی جوش و جذبہ کی نذر ہو گیا تو پورا جلسہ ناکام ہوا اگر چہ واہ واہ کرنے والوں اور نعرہ لگانے والوں کی تعداد بے شمار ہو گئی۔ اس فرسودہ انداز کو چھوڑ کر ہم اپنی قوم کو عمدہ بنانے اور سنوارنے کی کوشش کریں۔ ان کے عقائد، ان کے اعمال، ان کے اخلاق و افکار میں اصلاح لانے کی کوشش کریں اور یہ اسی وقت ہو گا جب آپ دل سے بات کریں اور دل کے اوپر اثر انداز ہوں ”از دل خیزد و بر دل ریزد“ کا ماحول ہو اور تقریر میں یہی انداز اختیار کرنا چاہیے۔

تحریر کے سلسلے میں یہ ہے کہ مقالہ لکھنے والے کو مقالہ کا عنوان پڑھنے کے ساتھ یہ غور کرنا چاہیے کہ کون سی چیزیں اس کے اندر لانا ہمارے لیے ضروری ہے اور کون سی باتیں غیر ضروری ہیں یا بالکل ہی بے جوڑ ہیں اور ان کا ذکر مقالہ میں ہر گز نہیں ہونا چاہیے یہ مقالہ لکھنے سے پہلے پہلے کسی بھی مقالہ نگار کو غور کرنا اور سمجھنا ضروری ہے مثلاً آج مقالات کے عنوانات میں سے ایک عنوان تھا ”امام اعظم کی شخصیت ائمۂ حدیث کی نظر میں“ اس عنوان کا تقاضا یہ ہے کہ امام اعظم کے بارے میں ائمۂ حدیث نے جو ارشاد فرمایا ہے اور ان کے جو کمالات و فضائل بیان کیے ان کو پیش کیا جائے، مقالہ لکھنے میں اگر آپ نے امام اعظم کی پیدائش، نسب ان کے شاگردوں اور استاذوں کا ذکر شروع کر دیا تو یہ غیر ضروری اور غیر متعلق چیزیں ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی مجموعہ امام اعظم کی ذات پر شائع کرنا ہے تو اس کے لیے شخصیت کے تمام پہلوؤں کو مقالہ نگار حضرات کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا ہے کسی کو حالات زندگی پر لکھنے کو کہا جاتا ہے کسی کو اساتذہ پر کلام کی دعوت دی جاتی ہے کسی کو تلامذہ پر گفتگو کرنے کو کہا جاتا ہے اور کسی کو خاص خاص فضائل و کمالات پر لکھنے کا موقع دیا جاتا ہے تو اب جس کو نشو و نما اور حالات زندگی پر لکھنے کو کہا گیا ہے وہ فضائل و کمالات پر آ جائے، تلامذہ اور اساتذہ پر آ جائے یا مخصوص فنون سے متعلق گفتگو شروع کر دے تو یہ غیر متعلق چیز ہو گی اسی طریقے سے کسی کو ائمۂ حدیث کے اقوال پیش کرنے کو کہا گیا ہے اب وہ سفر نامہ شروع کر دے کہ کہاں سے کہاں تک انھوں نے سفر کیا، کہاں پیدائش ہوئی اور کن کن اساتذہ کی بارگاہ میں گئے اور کتنے تلامذہ ان کی بارگاہ میں آئے تو یہ سب غیر متعلق چیزیں ہیں اس کے بعد اگر اپنے موضوع کا کچھ حق ادا کیا یعنی ائمۂ حدیث کے کچھ اقوال پیش کر دیے تو خیر ورنہ پورا مقالہ لا حاصل اور بے کار ہے کہ جو موضوع دیا گیا ہے اس کا کوئی حق ادا ہی نہیں کیا اور بہت سی غیر ضروری باتیں بیان کر دیں۔

اس لیے عنوان سامنے آنے کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کا حق کیا ہو گا اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہمیں کیا چھوڑنا ہو گا اور کیا اختیار کرنا ہو گا، کیا لکھنا ہو گا اور کیا نہیں لکھنا ہو گا۔ اگر یہ مقالہ نگار نے نہیں سمجھا تو اس کی بہت بڑی ناکامی ہے، اس لیے عنوان کا حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جو اصل موضوع ہے اس پر گفتگو کی جائے تمہیدی باتیں سطر دو سطر چار سطر ہو سکتی ہیں، صفحہ در صفحہ آپ تمہیدی گفتگو کرتے رہے اور اصل موضوع پر دیر میں آئے یا اس پر کم گفتگو کی تو یہ مقالہ بے وقعت ہو گا اور اس کی اہمیت قارئین کی نظر میں نہیں ہو گی، ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

پھر جس طرح بولنے میں صحیح تلفظ کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے،

اسی طرح لکھنے میں املا کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے اگر املا میں وہ غلطیاں آ رہی ہیں جو مبتدی طلبہ میں نہیں ہونی چاہیے تو بڑا عیب ہے۔ اگر عربی منتہی یا مبتدی طلبہ ایسی غلطیاں کریں تو یہ بہت بڑی خامی ہے اسے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پیراگراف چینجنگ آج کی تحریروں کے اندر ضروری ہوتی ہے، باتیں بدل رہی ہیں تو سطریں بھی بدل دی جائیں لیکن اگر ایک ہی پیراگراف میں از ابتدا تا انتہا لکھتے چلے گئے تو یہ سو سال پہلے کا طریقہ ہو سکتا ہے آج کا یہ طریقہ نہیں، اس لیے طالب علم کو اصولِ املا سے بھی باخبر ہونا چاہیے۔

آج کے املا اور سو سال پہلے کے املا میں اہلِ زبان نے بہت سی تبدیلیاں کی ہیں، پہلے کا املا کچھ ہوتا تھا اور آج کا املا کچھ اور ہے اس کو بھی جاننا چاہیے اس سلسلے میں مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی کتاب ''قواعد املا و انشا'' دیکھیں۔

لیکن میں تو ابھی جنرل املا کی بات کر رہا ہوں یعنی صحیح طریقہ سے لکھنا، کسی بھی لکھنے والے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔

دوسری چیز مسلمانوں اور اہل قلم کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ قرآنی آیات لکھیں تو رسم قرآنی کی پابندی کریں اس لیے کہ تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مصاحف تیار کرائے تھے اور ان مصاحف میں جو رسم اپنایا اس کو اپنانا ضروری ہے، اس کو سمجھنے کے لیے آپ یوں سمجھیں کہ اگر آپ عام عربی کے اندر عابدون یا صالحون لکھیں گے تو ع کے بعد الف اسی طرح ص کے بعد الف لکھیں گے اور عربی تحریروں کے اندر اسی طرح لکھا بھی جاتا ہے لیکن قرآن کریم میں یہ رسم نہیں کیوں کہ قرآن کریم میں جمع مذکر سالم لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں الف نہیں لکھا جاتا بلکہ الف حذف ہوتا ہے تو جب عابدون، صالحون، ناصرون لکھا جائے گا تو حذف الف کے ساتھ لکھا جائے گا صرف اس صورت میں جب جمع مذکر سالم میں الف جمع کے بعد ہمزہ یا کوئی حرف مشدد آ رہا ہو تو وہاں اثبات الف ہوتا ہے جیسے فائزون، ضالّون۔ یہاں اثباتِ الف ہے لیکن جہاں پر ایسا نہ ہو وہاں حذف الف ہوگا اور اس کی پابندی کرنا بھی ضروری ہے اس کے علاوہ بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں ہمزہ کو لکھنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے جیسے '' فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ '' میں فا کو سین سے ملا کر لکھا جاتا ہے اور ہمزۂ امر جو ہے اس کو قطعاً نہیں لکھا جاتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں نہیں لکھا گیا، اسی طریقہ سے دوسرے ہمزہ کا شوشہ، یہ بھی نہیں ہے۔

لِيَسْـَٔلَ، تُسْـَٔلُ میں بھی ہمزہ کا شوشہ نہیں ہے تو جو مصحف کا طریقہ ہے اس کے مطابق لکھنا آپ کے لیے ضروری ہے اس کے اوپر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، میں نے رسم قرآنی کے معاملے میں آج کے طلبہ کو سامنے رکھتے ہوئے کتاب لکھی ہے '' رسم قرآنی اور عربی کتابت کے اصول ''، آپ کے یہاں ہوگی، ہمارے یہاں داخل نصاب بھی ہے۔

کتاب رسم قرآنی نہیں تو مصحف کو دیکھ کر ہی کم از کم آپ آیات کی کتابت درست کر لیا کریں اس سے بھی آپ کا کام چل سکتا ہے اگر چہ مصاحف میں بھی بہت سی غلطیاں نظر آتی ہیں تاہم کم غلطیاں ہوں گی۔

تحریر میں املا کی درستی اور رسم قرآنی کی پابندی بھی ضروری ہوتی ہے، اس پر بھی دھیان دینا ہمارے لیے اور آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔

مقالہ پڑھنے میں بعض طلبہ نے بہت روانی کے ساتھ پڑھ دیا، قارئین کو اچھی طرح سننے اور سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ جب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو پانچ منٹ ملے ہیں اور پانچ منٹ میں آپ اپنا پورا مقالہ نہیں پڑھ سکتے تو اس طرح پڑھیں کہ سننے والے کو معلوم ہو کہ آپ کے جملے کیسے ہیں آپ کی ترکیبیں کیا ہیں اور آپ کی گفتگو کا مقصد کیا ہے، روانی کے ساتھ بہت تیز انداز میں نہیں پڑھنا چاہیے اسی طریقے سے جب آپ کو محدود وقت دیا گیا تو آپ اپنے مقالے کا خاص حصّہ پڑھیں مثلاً آپ کے عنوان کا خاص حصہ ہے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زہد و تقوی تو ان پانچ منٹ کو زہد و تقوی کے لیے وقف کیجیے اور اس کو سنا دیجیے اور تمہیدی گفتگو کو چھوڑ دیجیے تاکہ سامعین کو خود یہ سمجھ میں آجائے کہ آپ نے اپنے عنوان کا کچھ حق ادا کیا ہے یا نہیں۔

میں نے دیکھا کہ تین تین چار چار صفحے تک تمہیدی گفتگو ہے اور اخیر میں جا کر عنوان پر آئے ہیں اور سنانے میں اس اخیر کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا اور صرف تمہید میں ہی پورے پانچ منٹ کا وقت ختم کر دیا، مقالہ پڑھنے کا یہ طریقہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہے کہ ہمارا یہ عنوان ہے اور پانچ منٹ میں اپنے مقالہ کو پیش کرنا ہے تو عنوان سے متعلق جو حصہ ہے اس کو پڑھنے کی کوشش ہونی چاہیے، اسی کو سنا کر آپ عہدہ برآ ہو جائیں گے اور سامعین کو سمجھ میں آجائے گا کہ آپ نے اپنے موضوع پر کوشش صرف فرمائی ہے۔ ان چیزوں سے زمانۂ طالب علمی میں آپ کو باخبر اور بہرہ ور ہونا ضروری ہے۔

یقیناً میدان میں قدم رکھنے کے بعد کبھی ایسا موقع ہوتا ہے کہ

فوری طور پر لوگوں کے اندر کوئی شورش کوئی انتشار برپا ہے کوئی فساد درپیش ہے یا لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات در آئے ہیں تو ان کے ازالے کے لیے فوری طور پر تقریر کرنے کی بھی حاجت پیش آئے گی ایسا نہیں کہ تقریر بالکل قابلِ ترک چیز ہے وہ تقریر جو محض جوش و جذبہ کے اظہار کے لیے ہوتی ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن عوام کے شبہات کو دور کرنے کے لیے اور ان کی تعلیم و اصلاح کے لیے تقریر کا فریضہ آج بھی ہمارے اوپر عائد ہوتا ہے۔

یاد رکھیے کہ تمام انبیاے کرام نے تقریروں ہی کے ذریعہ لوگوں کو سمجھایا ہے اور ان تک اپنے پیغام کو پہنچایا ہے انھوں نے قلم کا سہارا کم لیا ہے جیسے حضور اقدس ﷺ کو دور دراز سلاطین تک پیغام اسلام پہنچانا ہوا تو قلم کا سہارا لیا اور خطوط لکھوا کر ان تک پہنچائے گئے لیکن اکثر عوام کے دلوں میں اپنی بات اتارنے کے لیے اپنی زبان اور تقریر کا سہارا لینا پڑتا ہے اور انبیاے کرام نے یہی کیا ہے، اس سے آج بھی ہم سبکدوش نہیں ہیں، یہ سنت بھی باقی رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ ہاں دور دراز خِطوں تک اپنی بات پہنچانی ہے اور زبان سے نہیں پہنچا سکتے تو قلم کا سہارا لینے کی حاجت پڑتی ہے۔

اگر کسی مخالف نے تحریر کے ذریعہ کوئی بات پیش کی ہے اور تحریری شکل میں ہی اس کو جواب دینا ہے تو تحریر میں آپ کے اندر کمال ضروری ہے کیوں کہ تحریر دیرپا ہوتی ہے محفوظ بھی رکھی جاتی ہے، سنی سنائی بھی جاتی ہے۔

اور آج تو زبانی تقریر کو محفوظ کرنے کے بہت سے آلات ایجاد ہو چکے ہیں اس لیے آج بولنے والا بھی بہت بے پرواہو کر نہیں بول سکتا کہ جو چاہے کہہ جائے اور جیسے چاہے ویسے کہہ جائے کیوں کہ تقریروں کو قید کر لیا جاتا ہے اور پھر ان کی زبان کی خامیاں، بیان کی خامیاں، سب پرکھی جا سکتی ہیں، اس لیے آج کی تقریر بھی تحریر کی طرح ہو چکی ہے۔ اگر چہ تحریر زیادہ قابلِ اعتبار اور لائق توجہ قرار دی جاتی ہے اور اس کے اثرات بھی دور رس و دیرپا ہوتے ہیں۔

تقریر و تحریر سبھی کمالات طلبہ کو حاصل کرنا ضروری ہے، یہ نہیں ہونا چاہیے کہ جب کسی انعامی مقابلے کا اعلان ہو تو اسی وقت آپ قلم کو حرکت میں لائیں، روزانہ صفحہ دو صفحہ لکھنے کی عادت ڈالیں، کوئی ضروری نہیں کہ کوئی انوکھی تحریر معرضِ وجود میں آئے اور اس پر آپ کو بڑی شاباشی دی جائے۔

آپ محض مشق کے لیے ایک دو صفحہ لکھتے رہیں کچھ زمانہ گذرنے کے بعد خود اس پر تنقیدی نگاہ ڈالیں کہ ہم نے جو لکھا وہ کسی لائق ہے کہ نہیں، اس میں خامیاں کیا ہیں، خوبیاں کیا ہیں، آپ اس کو خود جانچنے کی کوشش کریں اور آگے مزید اپنی صلاحیت کو جلا بخشنے کی کوشش کریں، اپنے اساتذہ کو دِکھلائیں صفحہ دو صفحہ کا اگر مضمون ہے تو دیکھنا دِکھانا بھی آسان ہے، جب دس بیس صفحات کا مضمون آپ لکھ کر لائیں گے اور اساتذہ کو دیں گے تو وہ بھی کہیں گے اطمینان سے آنا، مہینے بھر کے بعد لے جانا، لیکن اگر ایک دو صفحہ ہو تو چلتے پھرتے بھی دیکھ سکتے ہیں، اس طریقے سے آپ کی مشق ہوتی رہے گی اور جب آپ کا قلم چل گیا تو پھر لکھنا آپ کے لیے دشوار نہیں ہوگا، جب بھی مضامین اور مواد آپ کے پاس اکٹھا ہو جائیں گے بہت جلد آپ اس کو قیدِ تحریر میں لا سکیں گے اور اس کو پیش کر سکیں گے، تو عادت آپ کو ڈالنا چاہیے اور یہ کمال اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے، جن حالات سے آپ کو نبرد آزما ہونا ہے اور جن سے آپ کا سابقہ ہونا ہے ان حالات کے لیے آپ کو دورِ طالب علمی سے تیار ہو جانا ضروری ہے، اسی طریقے سے انتظامی صلاحیت کی بھی ضرورت پڑتی ہے، آپ کو کوئی ادارہ چلانا ہے، کہیں ادارہ قائم کرنا ہے تو کس طریقے سے ادارہ قائم کیا جاتا ہے، کس طریقے سے چلایا جاتا ہے اور کیسے معاونین سے رابطہ کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں آپ کو جانکاری ہونا ضروری ہے۔

اسی طریقے سے لوگوں سے مل جل کر کے کیسے ان تک اپنی بات پہنچائی جاتی ہے اور کس طرح انھیں عمدہ فکر و عمل اور اچھے اخلاق سے آراستہ کیا جاتا ہے اس کے لیے لوگوں سے ملنے جلنے کا انداز اور طور طریقہ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے۔ یہ آپ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگلی زندگی میں کن امور سے ہمارا سابقہ پڑنا ہے اور کس طرح ہمیں ان کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

طالب علمی کا یہ مختصر سا زمانہ جس کو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ محض تفریح کا زمانہ ہے اور گھر سے چھٹی ملی ہوئی ہے کہ جیسے ہم چاہیں گزار لیں، یہ ایسا زمانہ نہیں ہے اسی زمانہ پر ساری زندگی کا مدار ہے، اگر یہ زمانہ آپ نے کامیابی کے ساتھ گزار لیا تو آپ کی اگلی زندگی بھی کامیاب ہو سکتی ہے اور اگر یہ زمانہ آپ نے لہو ولعب میں گزار دیا تو پوری زندگی رونا پڑے گا اور کوئی آنسو پونچھنے والا بھی نہیں ملے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔

میں اپنے احباب اور منتظمینِ ادارہ کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس ملاقات کا موقع فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے نوازے۔ و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

میاں بیوی کے مابین رفع نزاع کی ایک صورت

زید اور اس کی زوجہ ہندہ کے مابین کسی بات کو لے کر نزاع پیدا ہوگیا ہے، محلہ کے سرداران اور پنچ حضرات کے ذریعہ صلح کی کوشش کی گئی مگر ناکام رہی، حتیٰ کہ نوبت طلاق تک آپہنچی ہے۔ اب ہندہ اپنے شوہر زید پر الزام عائد کرتی ہے کہ ”زید نے مجھ سے (تقریبًا) -/50000 روپیہ قرض لیا ہے اور دوسرا بہت سا میرا سامان اس کے قبضہ میں ہے“ جب شوہر زید سے اس بابت دریافت کیا گیا تو وہ کہتا ہے ”میں نے اپنی بیوی سے کسی طرح کا قرض نہیں لیا، اور ہندہ کا جو سامان میرے پاس ہے وہ میں ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔

مذکورہ بالا صورت مسئلہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا حل کس طرح ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب

یہ مقدمہ اہلِ سنت وجماعت کے قاضی شریعت کے یہاں پیش کیا جائے، وہ ہندہ سے اس کے دعویٰ پر ثبوت شرعی طلب کریں، ثبوت شرعی دو دین دار مردوں یا ایک دین دار مرد اور دو دین دار عورتوں کی شہادت ہے۔

اگر ہندہ اپنے دعویٰ پر بقدر نصاب شرعی شہادت قائم کردے تو فیصلہ اس کے حق میں ہوگا اور اگر بقدر نصاب شرعی شہادت وہ قائم نہ کرسکے مگر قاضی کے حضور وہ مدعا علیہ یعنی زید سے انکار پر قسم لینا چاہیں تو قاضی زید کو حکم دے کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس نے ہندہ سے پچاس ہزار -/50000 قرض نہیں لیے، اگر وہ اپنے انکار پر قسم کھالے تو بری قرار پائے گا اور اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو ہندہ کا دعویٰ ثابت ہوگا اور قاضی فیصلہ دے گا کہ وہ ہندہ کو -/50000 روپے ادا کرے۔

مقدمہ کی سماعت مسجد میں ہو اور مدعی و مدعا علیہ باوضو رہیں تو بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

موبائل کے ذریعہ نکاح وطلاق کا شرعی حکم

سیما انجم بنت شمس الحق کی شادی شوال ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۳ء میں بدر الزماں ابن عبد اللہ کے ساتھ ہوئی۔ شادی کے بعد ہی بدر الزماں اپنی بیوی کو طلاق دینے کی دھمکی دینا شروع کردیا، پھر وہ سعودیہ عربیہ چلا گیا۔ وہاں سے بار بار موبائل کے ذریعہ طلاق کی دھمکی دے رہا ہے کہ میں تم کو چھوڑ دوں گا، لڑکی اور اس کے ماں باپ کافی پریشان ہیں اور یہ بھی کہہ رہا ہے کہ میں موبائل کے ذریعہ دوسرے سے نکاح کرلوں گا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ موبائل کے ذریعہ طلاق اور نکاح شرعًا جائز ہے کہ نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

موبائل فون پر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی، طلاق واقع ہونے کے لیے صرف اتنا ضروری ہے کہ شوہر عاقل بالغ ہو اور طلاق کا کوئی کلمہ ایقاع طلاق کی نیت سے کہے، اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ بیوی سے کہے اور اس میں اس کی بھی مرضی و اجازت شامل ہو، یوں ہی اس کے لیے گواہ اور ایجاب و قبول وغیرہ کی بھی حاجت نہیں، اس لیے شوہر جب عاقل بالغ ہو اور کہیں بھی اپنی بیوی کے لیے طلاق کا کوئی کلمہ بول دے تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ موبائل فون کا واسطہ نہ ہو تو سب سمجھتے ہیں کہ طلاق پڑ گئی، تو بیوی تک آواز رسائی کی آسانی کے لیے اگر وہ موبائل استعمال کرے، یعنی موبائل پر طلاق دے تو ضرور طلاق واقع ہوگی، اس لیے بدر الزماں کی شکایت سنجیدگی کے ساتھ سن کر اسے دور کیا جائے، اور میاں بیوی میں خوش گوار تعلقات بنانے اور نباہ کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی، جہاں تک ہوسکے فریقین طلاق سے بچیں کہ یہ اللہ عز وجل کو سخت مبغوض ہے۔

نکاح کے لیے شوہر خود مختار نہیں ہوتا، بلکہ اس میں عورت کی رضا اور اس کی طرف سے ایجاب یا قبول ضروری ہوتا ہے۔ ایجاب و قبول کے وقت کم از کم شاہدین (دو گواہ) کا وہاں حاضر رہنا اور اسے سننا و سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے فون پر نکاح کی صورت میں تمام ارکان و شرائط پائے جائیں گے تب نکاح ہوگا۔ اس کے برخلاف طلاق کے بارے میں شوہر خود مختار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

سسر نے اپنی بہو کی پیشانی کا بوسہ لے لیا، اب کیا حکم ہے؟

حوصلہ افزائی کے لیے سسر نے پیشانی پر بہو کا بوسہ لیا، اس بنا پر شوہر نے بیوی پر یہ الزام رکھا کہ میرے والد کے ساتھ تمھارے ناجائز تعلقات ہیں، سسر اور بہو قرآن مجید اٹھا کر یہ قسم کھانے کو تیار ہیں کہ ان کے درمیان کوئی ناجائز تعلق نہیں، شوہر پچھلے پانچ چھ ماہ سے بیوی کا نفقہ ادا نہیں کر رہا ہے، بلکہ اسے اپنے گھر میں بھی نہ رکھا میکے بھیج چکا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ سسر کے بوسہ لینے کی وجہ سے اور شوہر کے الزام کی وجہ سے بیوی نکاح سے خارج ہوئی یا ابھی تک نکاح باقی ہے؟ اگر نکاح سے خارج ہوئی تو کیا نکاح ثانی کی اجازت ہے یا وہ اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکی؟ اگر نکاح باقی ہے تو شوہر پر کیا لازم ہے؟

الجواب

رخسار اور پیشانی کا بوسہ شہوت سے ہی مانا جاتا ہے، اس لیے جب شوہر اس بوسہ کی بنیاد پر خسر اور بہو کے درمیان ناجائز تعلقات کی تصدیق کرتا ہے اور اسی بنا پر عورت کو وہاں سے ہٹا بھی دیا ہے تو شوہر اور بیوی کے درمیان حرمت مصاہرت ثابت ہو گئی اور عورت شوہر پر بھی ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی، جیسا کہ اپنے خسر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ اس کی تحقیق و تفہیم میرے مقالہ ”عمرانہ کا مسئلہ نقل و عقل کی روشنی میں“ میں ہے۔ اب وہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی شوہر چند گواہوں کے سامنے یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی فلانہ کو چھوڑ دیا۔ یہ چھوڑنا متارکہ ہوگا۔ اس کے بعد عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

بہارِ شریعت میں شامی کے حوالے سے بوسہ کے تعلق سے یہ وضاحت ہے۔

”منھ کا بوسہ لیا تو مطلقاً حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی، اگرچہ کہتا ہو کہ شہوت سے نہ تھا، یوں ہی اگر انتشار آلہ تھا تو مطلقاً کسی جگہ کا بوسہ لیا، حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اور اگر انتشار نہ تھا اور رخسار یا ٹھوڑی یا پیشانی یا منھ کے علاوہ کسی اور جگہ کا بوسہ لیا اور کہتا ہے کہ شہوت نہ تھی تو اس کا قول مان لیا جائے گا۔“

(محرمات کا بیان/حرمت مصاہرت، مسئلہ:۲۱، حصہ:ہفتم)

متارکہ کے بعد شوہر اس کو پورا مہر مقرر ادا کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

پیر کا مرتبہ بڑھانے کے لیے من گڑھت اشعار پڑھنا

محفلِ قوالی میں قوال نے مندرجہ ذیل شعر پڑھا:

انبیا آئے ہیں اولیا آئے ہیں
اولیاؤں کے مولا امام آئے ہیں
اور ان کا صدقہ بانٹنے
(اپنے پیر کی طرف نسبت کرتے ہوئے)
خود مدینے سے خیر الانام آئے ہیں

از روے شرع اس طرح کے جملے کا پڑھنا اور اس کا سننا کیسا ہے؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں اور جزئیہ کی جانب اشارہ فرما دیں۔

الجواب

قوال کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس کے پیر کے یہاں انبیا، اولیا اور امام الانبیا آئے ہیں اور اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ سے حضور خیر الانام علیہ الصلاۃ والسلام اس کے پیر کا صدقہ بانٹنے کے لیے آئے ہیں، وہ اس کا ثبوت دے اور وضاحت کرے۔

اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنے پیر کا مرتبہ بڑھانے اور اللہ کا مقربِ خاص جتانے کے لیے اپنے من سے یہ سب کچھ گڑھا۔ اس تقدیر پر ایسے اشعار کہنا اور مجمعِ عوام میں پڑھنا ناجائز و گناہ ہے کہ انبیا و سید الانبیا ﷺ کی طرف خلافِ واقع کام کی نسبت ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من كذب عليّ متعمّداً فليتبوّأ مقعده من النار.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس نے میری طرف قصداً کوئی جھوٹ منسوب کیا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔ (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۷، مقدمہ)

بناءً علیہ قوال ان اشعار سے علانیہ توبہ و رجوع کرے اور آئندہ بہت محتاط رہے۔

ہاں یہ اشعار کفر اور قائل کافر نہیں، ان میں زیادہ وحشت ناک آخری شعر ہے جس میں حضور ﷺ کی طرف اشارے کے ذریعہ پیر کا صدقہ بانٹنے کی نسبت کی گئی ہے۔ مگر اس میں یہ توجیہ ممکن ہے کہ اس کے پیر کے صدقے میں اللہ جو کچھ عطا فرماتا ہے اسے حضور بانٹتے ہیں، جیسا کہ حضور اللہ تعالیٰ کی تمام عطا بانٹتے ہیں۔ حدیث نبوی: الإسلام يعلو ولا يعلىٰ کے پیش نظر اس توجیہ کی گنجائش ہے۔ والله تعالىٰ اعلم.

فکر امروز

ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

مولانا محمد اسحاق مصباحی

آج کل اخبار، نیٹ اور ٹیلی ویژن، وغیرہ ذرائع ابلاغ پر دو چند باتیں غالب ہیں۔ ملک شام، داعش کا بھوت، روس، ترکی، یمن اور ہندوستان میں گائے، عامر خان، اور بہار کا اتحاد۔ وقت ہے کہ میڈیا کے منظر نامے بدلتے رہتے ہیں، کبھی اس پر صدام حسین اور صدر بش چھائے رہے تو کبھی اندرا گاندھی اور یاسر عرفات، کل سے کل میں اور زمانہ کے ہر پل میں کوئی نہ کوئی نیا پریت، نیا بھوت، نیا عفریت، نیا رہ نما نمودار ہوتا رہتا ہے۔

بچپن میں جب ہم کٹھ پتلی کا تماشا دیکھنے پہلی بار گئے تو اس معصوم زندگی میں تعجب سے پوچھ لیا، کیا ان میں جان ہے شان دار طویل سجی ہوئی میز پر پتلیوں کی حرکات، مکالمے، مصافحے، معانقے سب کچھ ہم حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ پتلیوں کو کوئی شخص پردے کے پیچھے سے چلاتا ہے۔ ہمیں پھر تعجب ہوا، کیا مہارت کا فن ہے! پردے کے پیچھے سے منظر ناموں کو بدلنا۔ ہم بڑے ہو گئے۔ اخبار پڑھنے لگے، خبروں کا تجزیہ کرنے لگے اور آج معلوم ہوا کہ پوری دنیا میں یہ کھیل جاری ہے، یعنی پردے کے پیچھے سے یا پس پردہ۔ جو لوگ پس پردہ ہاتھ کو سمجھ سکتے ہیں وہ ہیں دانا اور لوگ ان ہاتھوں کو نہیں دیکھ سکتے وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ ان ہاتھوں کو دیکھنے کے لیے علم، حالات پر نظر، تاریخ، زبانیں، اور سیاست وغیرہ پر گہری نظر لازم ہے۔ سادگی، بے پروائی، بے اعتنائی مزاج والی قومیں کیا ان ہاتھوں کو دیکھ سکتی ہیں؟

پس پردہ ہاتھ اور پس پردہ دماغ آپ کو اس انداز سے استعمال کرتے ہیں کہ آپ خیال کو حقیقت اور خواب کو زندگی سمجھنے لگتے ہیں۔

بابا، بابا! یہ کتا کہاں لیے جا رہے ہو؟ عابد نے سوچا کہ میں نے تو بکرا قربانی کے لیے خریدا تھا، یہ کتا کہاں ہے؟ شاید یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ عابد آگے بڑھا۔ ایک میل بعد ایک گروہ نے پھر کہا: بابا! کتا اور آپ۔ پھر ایک میل کے بعد یوں ہی ایک گروہ ملا، غرض چوتھے گروہ کے کہنے پر اس نے وہ بکرا کتا سمجھ کر چھوڑ دیا اور ٹھگ اس کو لے کر چمپت ہو گئے۔ پنچ تنتر کا یہ دو ہزار سال پرانا واقعہ ٹھیک اسی طرح سے آج بھی موجود ہے۔

اسرائیل کے خلاف یورپ میں ایک لہر چلی کہ اسرائیل سے آنے والی وہ مصنوعات جو مقبوضہ بستیوں میں تیار ہوتی ہیں ان کا بائیکاٹ ہو۔ یورپی یونین نے ان مصنوعات پر لیبل اور پتہ کا مطالبہ کیا۔ اسرائیلی حکومت کے لیے یہ بات بڑے دکھ کی تھی، کیوں کہ اس کا مطلب تھا فلسطینیوں کے لیے حمایت اور اسرائیلی حکومت کو اقتصادی تعاون۔

ٹھیک اسی درمیان داعش نے پیرس میں حملہ کر دیا، پوری دنیا کو معلوم ہوا کہ مسلمان دہشت گرد ہیں اور مسلمان خطرہ ہیں۔ اب وہ مسئلہ منظر نامے سے غائب ہے۔ داعش نے اسرائیل کا کتنا اچھا مسئلہ حل کر دیا، پھر حملہ آور کتنے بے وقوف تھے کہ اپنا پاس پورٹ چھوڑ گئے اور تفتیشی ایجنسیوں کو کوئی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی۔ یوں ہی ہم نے خبروں میں سنا کہ بہت سے ملکوں میں حملہ آور سم کارڈ وغیرہ لے جاتے ہیں تاکہ تفتیش میں کوئی دشواری نہ ہو۔

داعش بھی ایک جدید کٹھ پتلی ہے، کتنا سمجھ دار ہے وہ ہاتھ جو اس کو منظر نامے پر حرکت دے رہا ہے، امریکہ سے جاپان تک بچھی ہوئی، اس میز پر اس پتلی کا کتنا خوب صورت کردار ہے۔ بنگلہ دیش میں داعش، تائیوان زد پر، روس زد پر، دنیا بھر میں داعش کی اس طویل میز پر کوئی طویل ہاتھ ہوگا، وہ ہاتھ ہوگا جس کے لیے امریکہ سے جاپان تک کے راستے کھلے ہوں گے، مصر سے روس تک راہیں وا ہوں گی، مختلف زبانوں میں کام کرنے والے افراد ہوں گے، کبھی اس منظر نامے پر القاعدہ کٹھ پتلی تھی، مگر وہ کٹھ پتلی دس سال کے بعد تعجب خیز نہیں تھی۔ لوگ بھی اس کے پس پردہ ہاتھ سے واقف ہو گئے تھے، لہٰذا اس کے لیے ایک نئے کردار اور نئی پتلی کی ضرورت تھی۔

یہ دہشت گرد افراد، یہ تنظیمیں عالمی میز پر ایک پتلی ہیں اور پس پردہ ہاتھ ہیں جو ان کو حرکت دے رہے ہیں۔ وہ ہاتھ مدرسوں میں نہیں ہو سکتے، وہ ہاتھ کلیساؤں اور مندروں میں بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ

عصری دانش گاہوں میں بھی نہیں ہو سکتے،وہ صرف اقتدار کے ایوانوں میں ہی ہوسکتے ہیں۔

عوام بابا، اور عالمی سیاست ٹھگوں کا گروہ ہے، وہ جب چاہے ٹھگوں کے ذریعہ بکرے کو کتا بنا سکتی ہے۔ ٹھگ جانتے ہیں کہ یہ بکرا ہے، کتا نہیں ہے، مسلمان دہشت گرد نہیں ہے، ان کی آنکھ ہے، ان کا دل ہے، دماغ ہے، مگر ان کا پیشہ ہی بکرے کو کتا بنانا ہو تو آپ ان کو کیسے سمجھا سکتے ہیں۔ ان کو پتہ ہے کہ مسلمان غریب ہے، اس کو روٹی دو بھر ہے کہ وہ گوشت کھائے۔ وہ جانتے ہیں کہ گوا سے ناگا لینڈ تک مسلمانوں سے زیادہ غیرمسلم گائے خور ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں رہنے کو گھر اور کھانے کو ایک روٹی تک نہیں۔ وہ جانتے تھے کہ صدام حسین کے پاس وسیع تباہ کن ہتھیار نہیں تھے۔ حکومتوں کو چلانے والے تعلیم یافتہ عالمی قد رکھنے والے سیاسی ایسے بےوقوف نہ تھے۔ مگر یہ ٹھگوں کا پیشہ ہے کہ بکرے کو کتا بتا کر اس پر قبضہ کریں۔

امریکی اقتصادی حالت بحران پر تھی، روس میں غربت کا طوفان کھڑا ہو رہا تھا، ابھی دو سال پہلے کی بات ہے داعش پیدا ہوئی، یمن میں بغاوت ہوئی، شام میں باغی گروہ سرگرم ہوئے، لیبیا میں قزافی مارے گئے اور ساتھ ساتھ امریکی ڈالر کی قیمت بڑھ گئی، کیوں؟

پس پردہ ہاتھ!

جو لوگ ہتھیاروں کے اسمگلر ہیں، کئی ملکوں کے باشندے ہیں۔ کیسے آتے ہیں ہتھیار ان دہشت گرد تنظیموں تک، آج اکثر کے پاس امریکی ہتھیار سے دہشت گرد تنظیمیں لیس ہیں اور امریکی اقتصادی حالات میں سدھار ہو رہا ہے، اسرائیلی حکومت کے مظالم میڈیا سے غائب۔

پس پردہ ہاتھ اور پردہ پر کٹھ پتلیاں...

آپ لاکھ جلسے کرو کہ اسلام کا دہشت گردی سے تعلق نہیں ہے۔ بھائی! وہ جانتے ہیں کہ تعلق نہیں، مسلم حکومتیں جہاں پر روڈ اور دفتر بنانے کے لیے پیسے نہیں، عالمی بینک کے مقروض ہیں وہ صفائی دیں کہ ہم دہشت گردوں کا ساتھ نہیں دیتے۔ بھائی! وہ جانتے ہیں کہ آپ ساتھ نہیں دیتے۔ آپ لاکھ کہیں کہ مدارس میں تواضع اور انسان دوستی سکھائی جاتی ہے۔ وہ جانتے ہیں مدارس میں عمارت کے کمرے شکستہ، دفتر شکستہ، طلبہ کے پاس نہ اپنی ضروری اشیا اور پڑھنے کے لیے کتب مکمل نہیں تو وہ کیا دہشت گردی کریں گے۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔

مگر جب ان کا مشن یہ ہو کہ اسلام کو ختم کرنا ہے، دنیا کو اسلام سے آزاد زمین بنانی ہے تو کہیے، آپ کی صفائی، آپ کا بیان کیا ان پر موثر ہوگا؟

سری لنکا میں ایل ٹی ٹی ای کا وجود ختم ہو گیا، حکومت کو پچیس سال زبردست جنگ کرنی پڑی۔ پھر اچانک یہ تنظیم ختم ہو گئی۔ اخباری تبصروں سے معلوم ہوا کہ جب تک کئی ملکوں کی خفیہ مدد حاصل رہی، تنظیم کام کرتی رہی اور جب وہ مدد ختم ہو گئی، تنظیم ختم ہو گئی۔ پس پردہ ہاتھ کا کھیل تھا۔ کوئی تنظیم اصلی ہو یا نقلی، فرضی ہو یا حقیقی، وہ اسی وقت منظر پر حرکت کرتی ہے، رقص کرتی ہے جب اس کے پس پردہ کوئی ہاتھ متحرک ہو۔

جو آپ کو درست سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ سمجھیں گے اور جو آپ کو مٹانے کے راستے تلاش کر رہے ہیں وہ لاکھ صفائی کے باوجود آپ کو نہیں بخشیں گے۔

بس آج دنیا کی طویل میز پر چند کٹھ پتلیاں اور پس پردہ ہاتھ۔ ٹھگوں کا گروہ ہے۔ غریب سیدھا سادہ عابد، آپ لاکھ طعنہ دیں آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا، بس ہماری ذمہ داری یہی ہے کہ ہر ممکن حد تک زمانے کو حقائق سے باخبر کرتے رہیں۔

اب تو خاک و خون میں غلطاں ہوں میں
نکالا چاہتا ہے کام تو طعنوں سے اے غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

☆☆☆☆

مدعیِ نبوت مرزا قادیانی پر اولین فتویٔ کفر کی تحقیق

محمد ثاقب رضا قادری

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکاروں کے رد میں سب سے اول اور اہم کردار علماء و مشائخ اہل سنت کا ہے۔ تاہم عصر حاضر میں مختلف مکاتب فکر کے محققین نے ”مرزا قادیانی پر اولین فتویٔ کفر“ کے عنوان پر تحقیق کرتے ہوئے اپنے ہم خیال اور سر کردہ علما کے سر اس کا سہرہ باندھنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ ہم اس موضوع کو امت کا مشترکہ مسئلہ تصور کرتے ہیں لیکن دیگر احباب کی طرف سے اپنے ہم خیال علما کو سبقت دینے کی متعدّد تحریرات کی اشاعت کے بعد ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اہل سنت و دیگر مکاتب فکر کی تحقیق کا معروضی مطالعہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کریں چنانچہ اس ضمن میں اب تک جن علما کے نام پیش کیے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ مفتی غلام دستگیر قصوری (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء)

۲۔ مولانا غلام قادر بھیروی (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء)

۳۔ مولوی محمد حسین بٹالوی (۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء)

۴۔ علماء لدھیانہ [مولوی محمد لدھیانوی، مولوی عبدالعزیز لدھیانوی]

اب ہم ذیل میں ان حضرات کے فتویٔ کفر اور رد قادیانیت میں کردار کا اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مفتی غلام دستگیر قصوری کا فتویٔ تکفیر:

علمائے اہل سنت کا اکثریتی موقف یہی ہے کہ مرزا قادیانی کے دعویٔ نبوت کے رد میں سب سے اول جامع و مبسوط فتویٔ تکفیر مفتی غلام دستگیر قصوری نے دیا۔ دستیاب شواہد کی رُو سے مولانا قصوری نے یہ فتوی ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں تحریر کیا اور علماء پنجاب سے تصدیقات حاصل کیں۔ یہ فتوی اردو زبان میں تھا آپ نے اس کا نام ”تحقیقات دستگیریہ رد ہفوات براہینیہ“ رکھا۔ دیوبندی عالم مولوی اللہ وسایا (عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان) نے اس کتاب کو قادیانیت کے رد میں اولین تحریری جدوجہد اور نقش اول قرار دیا ہے۔ (احتساب قادیانیت، ج۱۰، ص:۴۴۹)

مولانا قصوری کو ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں اس فتنہ کی اطلاع ہوئی چناں چہ آپ خود لکھتے ہیں:

”فقیر نے صفر ۱۳۰۲ھ (نومبر ۱۸۸۴ء) میں صاحب براہین کا وہ اشتہار دیکھا جس کا ذکر ابتدا اس رسالہ میں درج ہوا ہے۔“

(رجم الشیاطین/عربی خلاصہ تحقیقات دستگیریہ :۵۵)

آپ نے مرزا قادیانی کے رد میں درج ذیل کتب تحریر کیں:

۱۔ تحقیقات دستگیریہ رد ہفوات براہینیہ (۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء)

۲۔ رجم الشیاطین برد اغلوطات البراہین (۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء)

۳۔ فتح رحمانی بہ دفع کید کادیانی (۱۸۹۷ء/۱۳۱۵ھ)

۴۔ تصدیق المرام بتکذیب قادیانی ولیکھ رام (۱۸۹۷ء/۱۳۱۵ھ)

(ان کتب کا تفصیلی تعارف رسایل قصوری جلد اول کے مقدمہ میں ہوچکا ہے، لہذا یہاں صرف نام ہی ذکر کیے جاتے ہیں۔)

نیز آپ نے مرزا قادیانی کو کئی بار مباحثہ و مباہلہ کا چیلنج بھی دیا لیکن اس کو آپ کے سامنے آنے کی جراءت نہ ہوسکی۔ آپ نے بذریعہ خط و کتابت اور اشتہار بھی اصلاح احوال کی کوشش کی جس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا قصوری لکھتے ہیں:

”ہر چند فقیر مؤلف - کان اللہ لہ - نے ابتدائے ۱۳۰۲ھ سے اولاً بذریعہ خط و کتابت ثانیاً بوسیلہ اشتہارات بہت کوشش کی کہ مرزا صاحب مناظرہ سے تحقیق حق کر کے اسلام میں رخنہ اندازی سے باز آجائیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کی تائید پر غرّہ نہ ہوجائیں مگر بقضائے الٰہی موثر نہ ہوا۔ تب فقیر نے رسالہ مرقومہ بالا (رجم الشیاطین) ۱۳۰۳ھ میں حرمین شریفین زادھما اللہ سبحانہ شرفاً میں بھیج کر فتویٰ لیا۔ ۱۳۰۵ہجری میں جب یہ فتوی آیا تب راقم نے امرتسر جاکر مرزا صاحب کے دوستوں کو دکھلایا اور ان کی معرفت مرزا صاحب کو بلوایا کہ وہ بچشم خود اس کو ملاحظہ کر کے تائب ہوجائیں تو اس کو شائع نہ کیا جائے۔ اس پر مرزا صاحب نہ آئے، فقیر نے بنظر خیر خواہی اسلام اس کے شائع کرنے میں تعویق کی، شاید مرزا صاحب رو براہ ہوجائیں۔

پھر مرزا صاحب نے جب ضروری اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء میں اپنے مثیل مسیح ہونے کے دعویٰ میں کئی علمائے دین سے مباحثہ کے واسطے ان کے نام درج کیے اور اخیر میں فقیر کا نام بھی تحریر کیا تو اس کے جواب میں فقیر نے رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ میں دو ورقہ اشتہار شائع کر کے مختصر

حال اس فتویٰ کا اور اپنی مستعدی مناظرہ کے لیے ظاہر کی، اور ادّعاے مثیل مسیح کو بھی باطل کیا۔ ان کی طرف سے اس کا جواب نہ آیا۔

بعد ازاں رمضان شریف ۱۳۱۰ہجری میں حافظ یوسف ضلعدار نے مرزا صاحب یا ان کے نائب سے مناظرہ کے واسطے تحریک کی، فقیر نے تحریر کردی کہ میں حاضر ہوں۔ تاریخ مقررہ پر نہ مرزا صاحب آئے نہ کوئی نائب ان کا مختار نامہ لے کر آیا۔ برعکس محمد احسن امروہی نے فقیر کے فرار کا اشتہار بنام "اتمام الحجت" شائع کر دیا۔ اس کے جواب میں ایک مدرسہ قصور نے اولاً اس کی تبکیت میں اشتہار شائع کیا۔ ثانیاً فقیر نے ۱۳۱۱ہجری میں دوسرا اشتہار چھپوا دیا۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ مرزا صاحب کی پہلی رخنہ اندازیٔ اسلام کے علاوہ جس پر حرمین مکرمین زاد ہما اللہ تعظیما سے ان کے بارے میں فتویٰ آچکا ہے انہوں نے دعویٰ مخترعہ مسیحیت میں رسالہ فتح الاسلام و توضیح المرام، ازالۂ اوہام شائع کیے ہیں، ان میں نبوت و رسالت کا کھلا کھلا دعویٰ کر دیا ہے جس سے مولوی محمد حسین بٹالوی جیسے ان کے مؤید اور ثناخواں بھی ان کے سخت مخالف ہو کر واشگاف اور صاف صاف ان کی تکفیر کر رہے ہیں اور مرزا صاحب اور محمد احسن جیسے ان کے مریدوں کو ذرّہ بھی غیرت نہیں کہ مجمع علما میں اپنی بریّت ظاہر دکھائیں، صرف دھوکہ بازیوں سے کام چلا رہے ہیں۔

ان کی طرف سے جب اس کا جواب بھی کچھ نہ ملا، تو فقیر نے اخیر صفر ۱۳۱۱ہجری میں اور اشتہار جاری کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اب مرزا صاحب کے راہ راست پر آنے سے مایوس ہو کر وہ فتویٰ حرمین شریفین شائع کیا جاتا ہے۔ جس سے مرزا صاحب کی ضلالت و بطالت ظاہر ہو جائے گی۔

پھر ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ میں جو مرزا صاحب اپنے جدید سسرال کے ہاں چھاؤنی فیروز پور میں آئے تو کئی مسلمانوں نے ان سے دعویٰ مسیحیت کا ثبوت طلب کیا۔ اس پر مرزا صاحب نے مختصر تقریر کے بعد جواب دیا کہ کسی عالم کو ہمارے پاس لے آؤ، ہم ان کی تسلی کر دیں گے، پھر جلدی سے قادیان کو سدھارے۔

دوسری مرتبہ ۱۲ جمادی الاولیٰ کو جب وہاں آئے تو فقیر کو وہاں کے بعض اہل اسلام نے تحقیق حق کے لیے بلایا، فقیر نے وہاں جا کر ان کی مذکورہ بالا تصانیف سے ان کا دعویٰ نبوت، توہین انبیا وغیرہ ہا سب کو دکھلایا۔ چنانچہ ان کی سمجھ میں آیا اس پر انہوں نے مرزا صاحب سے فقیر کے ساتھ تقریر کرنے کی درخواست کی جس پر جواب ملا ہم کو الہام ہوا ہے کہ مولویوں سے مباحثہ نہ کریں۔ تب لوگوں نے کہا کہ آپ کے کہنے سے ہم نے بلوایا تھا۔

آخر ش بعد تکرار بسیار مرزا صاحب نے بذاتِ خود مناظرہ سے اور اپنے شاگرد و مرید حکیم نورالدین و محمد احسن امروہی سے بھی درمیان میں بیٹھ کر مباحثہ کرنے سے انکار کیا۔ اس پر چھاؤنی فیروز پور کے پچیس (۲۵) معتبر اہل اسلام کی شہادت سے مطبع صدیقی فیروز پور میں اشتہار شائع ہوا کہ واقعی مرزا صاحب مدعی نبوت ہیں اور انبیاے کرام کے توہین کنندہ اور جواب دینے سے صریح گریز ہے۔

اس پر جب ان کے سخت مخلص حافظ محمد یوسف مذکور کو یہ شکست فاش ناگوار معلوم ہوئی تو پھر وہاں جا کر دوسری مرتبہ مرزا صاحب کو مناظرہ میں شامل ہونے کے لیے آمادہ کیا اور امرتسر سے بنام مولوی محمد احسن امروہی اشتہار جاری کیا کہ مکفرین مرزا صاحب دسمبر کی تعطیلوں میں لاہور آکر مناظرہ کریں۔ میں مشتہر یا حکیم نورالدین مناظرہ کریں گے۔

اس پر فقیر نے مرزا صاحب سے اقرار تحریری شمول جلسہ مناظرے کا بذریعہ خط رجسٹری لے کر دو روز قبل از تاریخ مقررہ وارد لاہور ہو کر دس (۱۰) دن برابر لاہور میں رہا۔ نہ مرزا صاحب آئے نہ دونوں مناظر حاضر پائے۔ حکیم فضل الدین و برہان الدین مناظرہ کو آئے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ مرزا قادیانی کا مختار نامہ لے آئیں۔ فقیر حاضر ہے۔ پھر آج تک ان کی طرف سے صداے برنخاست۔" (رجم الشیاطین: ۷۱-۷۲)

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مولانا غلام دستگیر قصوری ہی وہ پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے مرزا قادیانی کے رد میں اردو اور عربی زبان میں اولین جامع و مبسوط فتویٔ کفر تحریر کیا اور علماء پنجاب و حرمین شریفین سے تصدیقات حاصل کیں۔ آپ نے مرزا قادیانی کے در پردہ دعویٔ نبوت کا راز فاش کیا چناں چہ مولانا غلام احمد اخگر امرت سری (مدیر اخبار اہل فقہ، امرت سر) لکھتے ہیں:

"حضرت جناب مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب مرحوم و مغفور قصوری نے مرزا صاحب کے الفاظ پڑھ کر فوراً رائے قائم فرمائی کہ یہ شخص ضرور نبوت کا دعویٰ کرے گا اور علمائے عرب و عجم سے مرزا صاحب کے اقوال کی بنا پر ان کے لیے کفر کا فتویٰ حاصل کیا، اگرچہ بعض لوگ اس وقت مرزا صاحب کے انکار دعویٰ نبوت کی بنا پر مولوی صاحب موصوف مرحوم اور ان کے ہم خیال علما پر زبان طعن دراز کرتے تھے کہ جب ایک شخص انکار کرتا ہے تو خواہ مخواہ اس پر الزام قائم کرنا سخت بے انصافی ہے لیکن آخر دنیا نے دیکھ لیا کہ مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب مرحوم کا خیال کیسا صحیح ثابت ہوا اور جب مرزا صاحب نے دیکھا کہ اب جماعت اس قدر لٹو ہو گئی ہے کہ دعویٰ نبوت پر امنا و صدقنا لکھنے کو تیار ہو گئی تو فوراً دعویٰ کر دیا۔" (اخبار اہل فقہ، امرت سر مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۱ء، رد قادیانیت اور سنی صحافت، جلد

دوم، ص:۲۶۷)

۲۔ مولانا غلام قادر بھیروی کا فتویٰ تکفیر:

مولانا غلام قادر بھیروی اہل سنت کے جید عالم دین تھے۔ پنجاب کے اکابر علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کو "قطب لاہور" بھی کہا جاتا ہے۔ ۱۳۱۳ھ بمطابق ۱۸۹۵ء کو آپ نے اپنی زیر تولیت تاریخی مسجد بیگم شاہی (مستی دروازہ، واقع عقب شاہی قلعہ- لاہور) کی دیوار پر مندرجہ ذیل قرارداد سنگ مرمر پر کندہ کروا کر نصب کروائی جو کہ آج بھی موجود ہے:

"باتفاق انجمن حنفیہ و حکم شرع شریف یہ قرار پایا کہ کوئی وہابی، رافضی، نیچری و مرزائی مسجد ہذا میں نہ آوے اور خلاف مذہب حنفی کوئی بات نہ کرے۔"

مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب لکھتے ہیں:

"پنجاب کے علماء میں سب سے پہلے مرزائے قادیانی کے خلاف آپ ہی نے فتویٰ دیا اور اس وقت مرزا کی تردید کی جب کہ اس نے ابھی تک نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔"

(تذکرہ اکابر اہل سنت:۳۲۸ مطبوعہ اویسی بک سٹال، گوجرانوالہ)

مولانا منشا تابش قصوری اپنے مقالہ "رد مرزائیت میں علمائے اہل سنت کا حصہ"، جناب صادق علی زاہد اپنی کتاب "تذکرہ مجاہدین ختم نبوت" (ص:۲۵۶) اور مولوی اللہ وسایا دیوبندی اپنی کتاب "تذکرہ مجاہدین ختم نبوت" کے ص ۲۲۴۔۲۲۵ میں لکھتے ہیں:

"رد مرزائیت میں پنجاب میں سب سے پہلے آپ نے ہی یہ فتویٰ جاری فرمایا کہ قادیانیوں کے ساتھ مسلمان مرد یا عورت کا نکاح حرام و ناجائز ہے۔ بعد میں علمائے دین و مفتیان شرع متین نے اسی فتویٰ مبارکہ سے استفادہ کرتے ہوئے مرزائیوں سے مناکحت تزویج کو ناجائز اور ان سے میل جول اور ذبیحہ تک کو حرام قرار دیا۔ مرزا نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور حکیم نورالدین نے اس کی تائید کی تو آپ نے حکیم نورالدین کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ آپ کی موجودگی میں اسے کبھی پھر بھیرہ میں داخل ہونے کی جرات نہ ہوئی۔"

تاہم یہ فتویٰ کس سن میں شائع ہوا- آج تک معلوم نہیں ہو سکا۔ لہذا شواہد کی عدم دستیابی کے سبب مولانا بھیروی کے فتویٰ تکفیر پر مزید گفتگو ممکن نہیں۔

۳۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کا فتویٰ تکفیر:

عصر حاضر کے ایک غیر مقلد مصنف ڈاکٹر بہاء الدین (۱) کا موقف ہے کہ مرزا قادیانی کی تکفیر سب سے اول مولوی محمد حسین بٹالوی نے کی۔ انہوں نے اس موضوع پر اپنی کتاب تحریک ختم نبوت کی جلد اول صفحہ نمبر ۱۲۹ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ہم اس پر تفصیلی گفتگو ضرور کرتے لیکن ہم سے پیشتر دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے ایک مصنف جناب ابوانیس حبیب الرحمن لدھیانوی نے ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ موقف کا تفصیلی رد کرتے ہوئے ایک ضخیم کتاب بنام "تاریخ ختم نبوت" تحریر کی جو کہ رئیس الاحرار اکیڈمی (محلہ خالصہ کالج، فیصل آباد-پاکستان) سے اپریل ۲۰۰۵ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں بھرپور انداز میں ڈاکٹر صاحب کی تحریفات کی نشان دہی کی گئی ہے نیز قدیم کتب و رسائل کے عکسی حوالہ جات سے مولف نے اپنے موقف کو مدلل طور پر بیان کیا ہے۔ سبب تالیف اس کتاب کا یہ ہوا کہ مولف مذکور نے "تاریخ ختم نبوت" سے قبل ایک کتاب بنام "سب سے پہلا فتویٰ تکفیر" کے عنوان سے لکھی تھی جس میں یہ موقف پیش کیا کہ مولف کے اجداد علماء لدھیانہ نے مرزا قادیانی کی تکفیر پر سب سے اول فتویٰ جاری کیا تھا۔ ڈاکٹر بہاء الدین نے اس کتاب پر تنقیدی تبصرہ لکھ کر ماہ نامہ صراط مستقیم برنگھم (برطانیہ) کے شمارہ بابت جنوری ۲۰۰۰ء میں شائع کروایا۔ بعد ازاں یہی تبصرہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب "تحریک ختم نبوت" میں شامل کر دیا جو کہ پاک و ہند سے بیک وقت شائع ہوئی۔ اس تبصرہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی (غیر مقلد) کے بارے یہ موقف پیش کیا گیا کہ انہوں نے سب سے اول مرزا قادیانی کی تکفیر میں فتویٰ جاری کیا چنانچہ مولف مذکور نے ڈاکٹر بہاء الدین کے اس موقف کا رد ضروری سمجھتے ہوئے یہ کتاب ترتیب دی۔ ہم یہاں اس تحقیق کا ماحصل چند نکات میں بیان کرتے ہیں:

۱۔ مرزا قادیانی کی تکفیر پر پہلا فتویٰ علماء لدھیانہ نے دیا۔ (اس پر تفصیلی گفتگو آگے آ رہی ہے۔) جب کہ مولوی بٹالوی صاحب کو اول مکفر کی بجائے اول موید کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔

۲۔ مولوی محمد حسین بٹالوی (غیر مقلد) نے مرزا قادیانی کی ایمان سوز کتاب کا دفاع کرتے ہوئے اس پر تائیدی ریویو لکھا جو کہ اشاعۃ السنۃ جلد نمبر ۷ شمارہ نمبر ۶ بابت ماہ شعبان و رمضان و شوال ۱۳۰۱ھ مطابق جون، جولائی، اگست ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔ نیز مرزا قادیانی کی تکفیر کرنے والے علماء لدھیانہ کے اسماء ذکر کر کے برٹش گورنمنٹ کا باغی و بدخواہ ہونا بھی بیان کیا، بل کہ یہاں تک لکھا کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے خلاف جہاد کو جائز سمجھتے ہیں۔ (تاریخ ختم نبوت:۴۳ ملخصاً- مولف مذکور نے ان تمام عبارات کے عکسی حوالہ جات کتاب کے اخیر میں مہیا کیے ہیں۔)

نیز مولوی بٹالوی نے براہین احمدیہ کی تائید میں جو ریویو لکھا تھا اس کو لدھیانہ میں مفت تقسیم کروایا۔ اس کا انکشاف خود مولوی بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ کی جلد نمبر ۱۸ شمارہ ۷ کے صفحہ ۲۰۶،۲۰۷ پر کیا ہے۔ اس تقسیم

کے لیے مرزا قادیانی نے مولوی بٹالوی کو رقم ارسال کی تھی۔

۴۔ مرزا قادیانی کے شیطانی الہامات کی بے جا تاویلات کرتے ہوئے ان کو درست قرار دیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کی ان تاویلات کا مفصل رد مفتی غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب "تحقیقات دستگیریہ رد ہفوات براہینیہ" میں دیا جس کا عربی خلاصہ "رجم الشیاطین برد اغلوطات البراھین" کے نام سے شائع ہوا اور علمائے پنجاب و حرمین شریفین نے اس پر اپنی تصدیقات ثبت فرمائیں۔ اس کا تفصیلی حال آگے بیان کیا جائے گا۔[۲]

۵۔ براہین احمدیہ کی اشاعت پر مولوی بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ نمبر ۱۱ جلد ۷ کے صفحہ ۳۴۸ پر یہ دعائیہ کلمات تحریر کیے: "اے خدا! اپنے طالبوں کے رہنما! ان پر ان کی ذات سے ان کے ماں باپ سے تمام جہان کے مشفقوں سے زیادہ رحم فرما۔ تُو اس کتاب کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے اور اس کی برکات سے ان کو مالا مال کر دے اور کسی اپنے صالح بندہ کی طفیل اس خاکسار شرمسار گناہ گار کو بھی اپنے فیوض اور اس کی کتاب کی اخص برکات سے فیض یاب کر۔ آمین ۔و للارض من کاس الکرام نصیب" (بہ حوالہ تاریخ ختم نبوت:۷۷)

۶۔ مولوی بٹالوی اور مرزا قادیانی باہم دوست، ہم مذہب/ہم مسلک (یعنی غیر مقلد)[۳] اور ہم سبق ساتھی تھے چنانچہ اشاعۃ السنۃ جلد ۷ شمارہ نمبر ۶ کے ص ۱۷۶ پر لکھتے ہیں: "مولف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مولف صاحب (مرزا قادیانی) ہمارے ہم وطن ہیں۔ بل کہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی شرح ملّا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب اس زمانہ سے آج تک ہم میں ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری رہی ہے۔ اس لیے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں۔ مبالغہ قرار نہ دیے جانے کے لائق ہے۔" (ایضًا، ص:۷۸)

حواشی

[۱] ڈاکٹر بہاء الدین کا اصل نام محمد سلیمان بن مولوی عبداللہ گورداسپوری (مقیم بورے والا) ہے جو کہ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد بہاول پور یونیورسٹی میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ پھر سکاٹ لینڈ کی ایڈنبرا یونیورسٹی سے سرور عالم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام جاسوسی پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جب یہ مقالہ پاکستان کے علمی حلقوں میں پہنچا تو ہنگامہ برپا ہو گیا کیوں کہ اس مقالہ میں توہین رسالت کے پہلو نمایاں تھے چناں چہ احتجاجی قراردادیں منظور ہوئیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم ہوا جس کے سربراہ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر تھے۔ کمیشن کی سفارش پر ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر کو توہین رسالت کے ارتکاب کے جرم پر یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ ڈاکٹر سلیمان نے جان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے ایڈنبرا یونیورسٹی سے رابطہ کیا جہاں سے ان کو فوری طور پر ویزا جاری کیا گیا اور یوں جناب برطانیہ رخصت ہوئے اور اپنا قلمی نام "ڈاکٹر محمد بہاء الدین" رکھ لیا اور ماہ نامہ صراط مستقیم، برمنگھم میں مضامین لکھ رہے ہیں اور ان کے والد کے بہ قول ڈاکٹر صاحب "نیو کاسل یونیورسٹی" میں لیکچر دیتے ہیں۔ (تاریخ ختم نبوت: ص ۲۲ تا ۲۴ ملخصًا) ہماری اطلاع کے مطابق یہ اردو ماہ نامہ حکومت سعودی عرب کی مالی امداد سے جاری ہے اور اس کا سابق ایڈیٹر مولوی محمود میرپوری دارالافتاء ریاض کا نمائندہ و تنخواہ دار تھا۔

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے چھ جلدوں میں "تاریخ اہل حدیث" کے نام سے کتاب لکھی نیز "تحریک ختم نبوت" کے نام سے کتب ترتیب دے رہے ہیں جس کی ۳۷ جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔

[۲] ڈاکٹر بہاء الدین نے مولانا قصوری کی کتاب تحقیقات دستگیریہ کو اپنی کتاب تحریک ختم نبوت کی جلد ۱۵ میں شامل کیا ہے لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی کی تردید والا حصہ خارج کر دیا ہے چناں چہ اس کے متعلق ڈاکٹر صاحب خود لکھتے ہیں:

"مولانا غلام دستگیر کی تصنیف کا آخری حصہ مولانا بٹالوی کی تردید میں ہے بعد میں جب کہ یہ کتاب صفر ۱۳۱۲ھ میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی' اس وقت مولانا بٹالوی اپنے سابقہ خیالات کا رد کر کے رد قادیانیت کی تحریک کی قیادت کر رہے تھے اس لیے مولانا غلام دستگیر کی کتاب کا آخری حصہ غیر متعلق ہو گیا جیسا کہ خود انہوں نے بھی بروایت مولانا اللہ وسایا اس کی وضاحت کر دی ہے بنا بریں اس حصہ کو ہم نے ترک کر دیا ہے۔" (تحریک ختم نبوت، ج ۱۵، ص:۶۸)

ہم یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا قادیانی کی تردید تقریبًا ۱۸۹۰ء میں شروع کی اور اس سے قبل وہ مرزا قادیانی کی عبارات کفریہ کی بے جا تاویلات کر کے حق دوستی نبھاتے رہے یہاں تک کہ قرآن کریم کی آیات میں ردوبدل اور لفظی و معنوی تحریف کی تاویلات بھی برداشت کرتے رہے چناں چہ اس کی مکمل تفصیل مولانا قصوری کے رسالہ "تحقیقات دستگیریہ رد ہفوات براہینیہ" میں بیان کی ہے۔ نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مولانا بٹالوی نے مرزا قادیانی کا رد اگرچہ شروع کر دیا لیکن قرآن مجید کی آیات میں جو تحریفات مرزا قادیانی نے کیں اور مولوی بٹالوی نے اس کے بارے جو غیر شرعی تاویلات گھڑ کر بیان کی تھیں ان سے توبہ یا رجوع ثابت نہیں کیا۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ مولانا قصوری کے رسالہ کا وہ حصہ جو مولوی بٹالوی کے متعلق تھا اس پر علماء حرمین شریفین کے فتاوی بھی موجود ہیں جو رجم الشیاطین کے ساتھ ہی شائع ہوئے۔ ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے مولوی بٹالوی کے متعلق مولانا قصوری اور علماء حرمین شریفین کے فتاوی اس لیے اڑا دیے کیوں کہ انہوں نے اپنی کتاب "تحریک ختم نبوت" کی اگلی چار جلدوں میں مولوی بٹالوی کو "شیخ الاسلام" قرار دے کر ان کی خدمات رد قادیانیت کے حوالہ سے پیش کرنا تھیں۔ بہ ہر کیف ہم یہاں مولانا قصوری کی وہ عبارت نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں جس کے بارے ڈاکٹر صاحب نے قیاس کر رکھا ہے کہ مولانا قصوری نے مولوی بٹالوی کی نسبت اپنے فتاوی واپس لے

لیے، ملاحظہ فرمائیں:

"چوں کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اب مرزا صاحب کی تائید چھوڑ دی بل کہ ان کی تکفیر پر کمر باندھ لی ہے تو اب رسالہ رجم الشیاطین میں جو ان کی تردید تھی اب وہ اس سے بری ہیں۔ خدا کرے آیات قرآنی کو کلام غیر بنانے کی بھی خود ہی تردید کر دیں۔ واللہ ہو الہادی" (حاشیہ بر صفحہ ۱ رسالہ رجم الشیاطین براغلوطات البراہین)

مذکورہ عبارت کے خط کشیدہ حصہ کو ملاحظہ فرمائیں اور رسالہ رجم الشیاطین میں مولانا قصوری نے مولوی بٹالوی کی جو تردید آیات قرآنیہ میں تحریفات وغیرہ کے متعلق کی ہے -کو ایک بار پھر مطالعہ فرمائیں تو مسئلہ واضح ہو جائے گا۔ مولانا قصوری ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ان رسائل میں صاحب اشاعۃ السنۃ نے براہین والے کے کلام کی تاویلات فاسدہ سے بہت تائید کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیات قرآنی جب آں حضرت یا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے خطاب میں نازل ہوئی تھیں تو ان کا نام قرآن تھا اور جب انہیں بعینہا آیات سے اللہ نے غیر انبیاء کو مثل صاحب براہین کی مخاطب فرمایا تو اس کا نام قرآن نہیں رکھا جاتا اور غرض اس ہذیان سے صاحب براہین کا تحریف قرآن اور الحاد آیات فرقان سے بچانا ہے۔" (رجم الشیاطین :۳۵)

اس کے بعد مولانا قصوری نے مولوی بٹالوی کی آیات قرآنی میں مرزا قادیانی کی تحریفات لفظی و معنوی کے حوالہ سے بے جا تاویلات وغیرہ کو نقل کر کے ان کا رد کیا ہے۔ یہ حصہ اصل رسالہ کے صفحہ ۳۵ سے شروع ہو کر ۵۸ تک جاتا ہے اور پھر علماء حرمین کے فتاوی مرزا قادیانی اور مولوی بٹالوی کے متعلق شروع ہو جاتے ہیں۔

مفتی محمد سعید بابصیل (مکہ مکرمہ) اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں:

"بے شک میں نے دیکھا ان باتوں کو جو غلام احمد قادیانی پنجابی کی طرف منسوب ہیں پس اگر یہ اس نے کہی ہیں تو وہ گمراہوں گمراہ کنندوں و سخت بدمذہبوں سے ہے اور ایسا ہی محمد حسین ہے جس نے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں اس کی تائید کی ہے پس حاکم اسلام پر اللہ تعالیٰ اس کو نیک توفیق دے -واجب ہے کہ ان دونوں کو ایسی سخت تعزیر دے جس سے یہ اور ان کے ہم مشرب ایسی باتوں سے باز آویں۔" (رجم الشیاطین :۵۹۔۶۰)

مفتی محمد عثمان بن عبدالسلام (مدنی) اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں:

"اور رسالہ اشاعۃ السنۃ سے جن سے اس کی تائید کی ہے وہ سخت بدبخت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ گناہ اور حدوں سے درگزر کرنے میں تائید نہ کرو پس حاکم اسلام پر واجب ہے کہ ان دونوں کو سخت تعزیر کرے۔" (ایضاً:۶۰)

مفتی محمد علی بن ظاہر وتری حسینی حنفی مدنی لکھتے ہیں:

"اور بے شک جو براہین احمدیہ والے اور اشاعۃ السنۃ والے نے کہا ہے وہ نرا جھوٹ اور بہتان ہے پس سچ کے پیچھے گمراہی ہی ہوتی ہے اور جو مسلمانی کے سوا دین اختیار کرے گا وہ ہرگز قبول نہ ہو گا اور وہ شخص قیامت میں نقصان والوں سے ہو گا۔" (رجم الشیاطین:۶۶)

[۳] مرزا قادیانی اور اس کے متبعین اکثر غیر مقلد ہی تھے۔ مولانا قصوری نے اپنی کتاب تحقیقات دستگیریہ/رجم الشیاطین کا آغاز ہی اس سے کیا ہے چناں چہ آپ لکھتے ہیں:

"حمد و صلوٰۃ و سلام کے بعد واضح رہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی جو علماء غیر مقلدین سے ہے... الخ۔" (ص:۵)

ڈاکٹر بہاء الدین نے اس حوالہ سے اپنی کتاب میں غلط تاثر دینے کی کوشش کی ہے چناں چہ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: "مولانا غلام دستگیر قصوری مرحوم کو شاید اس معاملے میں پوری معلومات نہیں تھیں جو آپ نے مرزا قادیانی کو علماء غیر مقلدین میں سے لکھ دیا ہے جب کہ مرزا صاحب ایک حنفی المسلک خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔" (تحریک ختم نبوت، ج۱۵، ص:۶۸)

ہم یہاں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب الفاظ سے کھیلنے کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بات تو اپنی جگہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مرزا قادیانی اور غیر مقلدین نے برصغیر میں ایک ہی وقت میں جنم لیا لہٰذا اس سے قبل برصغیر میں مسلمانوں کی اکثریت حنفی المذہب ہی تھی لہذا یہ بات تو قابل قبول ہو سکتی ہے کہ "مرزا قادیانی ایک حنفی المذہب خاندان سے تعلق رکھتا تھا" لیکن اس سے مرزا قادیانی کا حنفی المذہب ثابت کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟؟؟ آج بھی کئی خاندان ایسے ہیں جو نسل در نسل حنفی ہیں لیکن خاندان میں سے کوئی فرد یا افراد غیر مقلد ہو گئے۔ بہرحال ہم یہاں ایک دوسرا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ چناں چہ فتاوی قادریہ میں مولانا محمد لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں:

"چوں کہ یہ شخص (یعنی مرزا قادیانی) غیر مقلدین کے نزدیک قطب اور غوث وقت تھا، محمد حسین لاہوری (بٹالوی) نے جو غیر مقلدین ہند کا مقتدا مشہور ہے -امداد قادیانی پر کمر باندھی اور اپنے رسالہ ماہ واری میں ہماری مذمت اور قادیانی کی تائید کرتا رہا یعنی کلمات کفریہ کی اشاعت کو معاذ اللہ اشاعۃ السنۃ قرار دیتا رہا۔"

مرزا قادیانی کے اولین پیروکار و خلیفۂ اول مولوی نور الدین بھیروی بھی غیر مقلد تھے چناں چہ ۲۶/۲۵ جمادی الآخر ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۲/۱۳ ستمبر ۱۸۷۱ء کو جامع مسجد بھیرہ میں علماء مقلدین و غیر مقلدین کے مابین مختلف موضوعات پر مناظرہ ہوا جس میں مولوی نور الدین بھیروی بہ طور غیر مقلد مناظر کے پیش ہوئے۔ (تفصیلات کے لیے تذکار بگویہ، جلد اول، ص:۱۸۵ مطبوعہ مجلس مرکزیہ حزب الانصار، بھیرہ-پاکستان)

مرزا قادیانی کے فقہی مذہب و مسلک کی بابت متعدّد کتب تحریر ہو چکی ہیں یہاں ہم صرف دو کے نام پیش کرتے ہیں:

۱۔ سیف حنفی برگردن فتنۂ اثری، گوندلوی، سلفی معروف بہ قادیانی بٹالوی گٹھ جوڑ مصنفہ حافظ عبدالحق خان بشیر نقش بندی (دیوبندی) مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت والجماعت، گجرات

۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا فقہی مذہب-حنفیت یا غیر مقلدیت از مولوی عبدالحق بشیر نقش بندی (دیوبندی) ناشر حق چاریار اکیڈمی، مدرسہ حیات النبی، گجرات

مرزا قادیانی کے فقہی مذہب پر مزید حوالہ جات و امثلہ بھی پیش کی جا سکتی ہیں لیکن طوالت کے خدشہ سے اس قدر پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔..........(**جاری**)

مدارس کا نظامِ اخلاق و آداب

ایک جائزہ

مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری

مدارسِ اسلامیہ کے تعلق سے بہت سی باتیں قابل غور اور لائق توجہ ہیں۔ آج ہر طرف اس بات پر خوب توجہ دی جا رہی ہے کہ اسلامی مدارس کو عصری تقاضوں کے مطابق چلایا جائے، اور یہاں کے فارغین کسی میدان میں کالج اور یونیورسٹی سے نکلنے والوں سے کم نہ ہوں، ظاہر ہے کہ اس طرح کی باتیں کرنا تو آسان ہے؛ لیکن ان کو عملی جامہ پہنانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ہاں اس حد تک تو تبدیلی لائی جا سکتی ہے اور لائی بھی جا رہی ہے کہ مدارس سے جڑے طلبہ دیگر علوم و فنون اور اردو، عربی، فارسی زبانوں کے ساتھ انگریزی، ہندی یا علاقائی زبانیں مثلاً گجراتی، بنگلہ، مراٹھی وغیرہ میں ضروری شُدبُد حاصل کرنے میں توجہ دیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اکثر مدارس میں اس پر عمل ہو رہا ہے؛ لہٰذا بار بار اس کی رٹ لگانا کہ مدارس کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے بالکل فضول ہے۔ اس طرح کی فضول باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو دنیا کو دین پر ترجیح دیتے ہیں، دینی تقاضوں سے نابلد ہیں وہ جس رنگ میں ہیں سب کو اسی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۔ (بقرہ:۲/۱۳۸)

اللہ کا رنگ، اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ!۔

یعنی اللہ کے دین کا رنگ، اس کے رسول کی سنتوں کا رنگ کہ اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں؛ لیکن یہ مغربیت زدہ اور نئی تہذیب کے دلدادہ لوگ دین داروں کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں؛ اسی لیے بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ دنیاوی ضرورت کی تکمیل کے لیے حسب استطاعت دنیاوی اور عصری علوم کی تحصیل سے تو اسلام منع نہیں کرتا اور لوگ حاصل کر بھی رہے ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ جو خالص دینی علوم کی تحصیل میں لگے ہوئے ہیں اور دینی علوم میں کمال پیدا کر رہے ہیں ان کے نظام میں خلل ڈال دیا جائے، پھر وہ کسی طرف کے نہ رہیں، نہ دین کے نہ دنیا کے، ظاہر ہے کہ یہ دین کو نقصان پہنچانا ہے، دانستہ ہو چاہے نادانستہ؛ اس لیے مدارس کے قیام کا جو مقصد ہے انھیں اسی پر چھوڑ دینا چاہیے۔

اگر کسی کو مدارسِ اسلامیہ سے ہم دردی ہے تو چاہیے کہ مدارس کے تعلیمی نظام کو درست کرنے کا مشورہ دیں، معیاری تعلیم کیسے فروغ پائے، اس کی کیا تدبیریں ہوں ان پر توجہ دی جائے، مدارس کا نظامِ اخلاق کیسا ہے، اس کا جائزہ لیا جائے اور اس سلسلے میں جو کمی در آئی ہو اس کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

علم کا مقصد محض حصولِ علم یا تحصیل مال نہیں ہونا چاہیے۔ اگرچہ فی نفسہٖ یہ دونوں مقاصد بھی مذموم نہیں لیکن ان کو بنیادی حیثیت نہیں حاصل ہونی چاہیے۔ علم کا بنیادی اور اصلی مقصد رضائے الٰہی اور ہدایت خلق ہے، اس کے لیے اخلاقی قدروں کا فروغ بھی ضروری ہے۔ اولین درجے میں متعلّم ہو یا معلم اپنے کو اخلاقِ فاضلہ سے مرصع کرے پھر دوسروں میں حسن سلوک اور حسن اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ چیزیں اس قدر اہم اور ضروری ہیں کہ دینی علوم کی تحصیل میں تو ان کا پاس و لحاظ ہونا ہی چاہیے دنیاوی علوم میں بھی ان کا اہتمام یک گونہ مطلوب ہے؛ کیوں کہ بندۂ مومن کی پوری زندگی رضائے الٰہی کے گرد گھومتی نظر آنی چاہیے۔ قرآن حکیم نے اس آیت میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ (انعام:۶/۱۱۲)

تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب سارے جہان کا۔

حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی علیہ الرحمہ اس آیت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں :

یعنی میری زندگی حیاتِ دنیا نہیں بلکہ حیاتِ دینی ہے۔ حیاتِ دنیا وہ ہے جو رب سے غافل کرے اور دنیاوی کاروبار میں صَرف ہو۔ اللہ کے لیے زندگی وہ ہے جو رب کے کاموں کے لیے وقف ہو، جیے

مہتمم دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ

تو دین کی خدمت اور رب کی یاد میں؛ مرے تو رب کی اطاعت کرتا ہوا۔ (تفسیر نور العرفان:ص۲۳۸۔ مطبوعہ کانپور)

یہ آیت پاک بتاتی ہے کہ مومن کا ہر کام چاہے دین کا ہو یا بظاہر دنیا کا مگر ہر ایک میں طلب رضائے الٰہی اور آخرت کی بھلائی ہی کو مقصود و مطمح نظر بنانا چاہیے، طلب علم سے دنیا میں اگر دنیا کا قصد کیا تو گویا مباح کام کیا؛ مگر جو علم، علم دین ہو اور اس کی طلب دنیا کے لیے ہو تو یہ بہت ہی مذموم اور باعث وبال ہے؛ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

عَن ابی هرَیرةَ رضی الله عنه قالَ: قالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم : مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغىٰ بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ لاَ يَتَعَلَّمُهُ اِلاَّ لِيُصِيْبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يعني رِيْحَهَا . رواه أحمد وأبوداؤد وابن ماجة

(مشکوٰة المصابیح: ۳٤ کتاب العلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ان علوم میں سے کچھ علم حاصل کیا جن سے اللہ کی رضا طلب کی جاتی ہے (یعنی علوم دینیہ میں سے) وہ اسے صرف اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس سے دنیا کمائے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

یعنی علم دین جیسے شریف علم کو جو ذلیل دنیا کا سامان حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے (مقصودِ اصلی اسی کو ٹھہرائے) تو وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ اگر اس بات کو وہ جائز بھی سمجھے کہ علم دین محض دنیا کمانے کی چیز ہے تو حکم بہت شدید ہوگا یعنی دین و علم دین کی توہین کا اس کے اوپر الزام آئے گا اور یہ کفر کو مستلزم ہے اور اگر حب دنیا کے غلبے کی وجہ یہ نیت ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اولین سابقین میں اس کا شمار نہ ہوگا ایمان ہے تو بالآخر جنت میں جائے؛ لیکن دخول سے پہلے جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ جب کہ حدیث سے ثابت ہے کہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے محسوس کی جائے گی، تو یہ بھی بہت بڑی محرومی ہے۔ ہاں! اگر دنیا کمانا بھی مقصود ہے لیکن مقصود اصلی رضائے الٰہی اور فروغ دین ہی ہے تو اس میں حرج نہیں؛ مگر بڑا مرتبہ اس کو حاصل ہے جو خالص رضائے الٰہی کے لیے علم دین حاصل کرتا ہے اور اللہ کے فضل پر بھروسا رکھتا ہے کہ وہ مولائے رزاق اپنے دین کے خادم اور اپنی رضا کے طالب کو دنیا کے اسباب سے بھی محروم نہیں رکھے گا اور اس کے فضل سے ہوتا بھی یہی ہے۔ شیخ سعدی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

ہاں طلب رزق کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا توکل کے خلاف نہیں۔ حدیث میں آیا کہ

اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ .

(سنن ترمذی، مشکوٰة: ۲٤۲)

سب سے پاکیزہ تر تمھارا کھانا وہ ہے جو تم محنت سے کماؤ۔

طلب علم میں اخلاص وللّٰہیت کے سلسلے میں ایک حدیث اور ملاحظہ ہو۔ امام ترمذی اپنی سنن میں نقل فرماتے ہیں :

عن ابنِ عُمَرَ عَنِ النبيِّ ﷺ قال: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِغَيْرِ اللّٰهِ أَوْ أَرَادَ بِهِ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .

(سنن ترمذی: ۲؍ ۹۰ کتاب العلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی علم غیر اللہ کے لیے حاصل کیا یا اس علم سے غیر اللہ کا ارادہ کیا تو اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔ (یعنی ایسا آدمی اپنے ہاتھوں جہنم کا مستحق بنتا ہے)

ان احادیث کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آج ہماری نگاہوں سے مقصد تعلیم اوجھل ہو چکا ہے، علم دین کی تعلیم اور تعلّم ہر ایک کا مقصد محض حصول زر ہو کر رہ گیا ہے۔ طالب علم بھی اسی لیے پڑھتا ہے کہ آگے چل کر کبھی لمبی تنخواہوں کے لیے راستہ ہموار ہوگا اور معلم بھی اسی غرض سے تعلیم دیتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تنخواہ حاصل کرے، اس کے لیے بعض معلّمین نازیبا حرکتیں بھی کرتے ہیں، رشوتوں کی لین دین بھی شروع کر دیتے ہیں، پھر اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ پڑھانا لکھانا برائے نام ہوتا ہے بس ڈیوٹی دینا تنخواہ الینا ہی اصل الاصول بن کر رہ جاتا ہے تو ایسے معلّمین و متعلّمین اور ذمہ داران مدارس سے اس کی توقع ہی بے کار ہے کہ یہ لوگ اخلاقی قدروں کو فروغ دیں گے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کریں گے، یا کرائیں گے!۔

یہ بات بلا خوفِ لومة لائم کہی جا سکتی ہے کہ آج مدارس میں اخلاق بس پڑھایا جاتا ہے، اس پر عمل کی طرف توجہ بہت کم دی جاتی ہے!۔ حالانکہ اخلاق پڑھنے پڑھانے کی چیز کم اور برتنے اپنانے کی چیز زیادہ ہے۔

اخلاق کی عرفی تعریف حسن سلوک اور حسن معاشرت سے کی جاتی ہے جب کہ اخلاق کے اصل معنی ہیں خصائل فاضلہ سے اپنے کو مرصع کرنا اور خصائل رذیلہ سے اپنے کو مبرا رکھنا۔ اخلاق کی جامع ومانع تعریف یہی ہے۔ احادیث پاک میں اخلاق حسنہ کے اختیار کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے اور جو اچھے اخلاق کا حامل ہو اس کو افضل واعلیٰ بتایا گیا ہے۔ اخلاق حسنہ کی اہمیت وفضیلت پر مشتمل چند احادیث کریمہ کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ بعض اخلاقی قدروں پر بھی مشتمل ہیں اور یہ کہ اخلاق سے کیا مراد ہے؟۔

احادیث رسول کریم ﷺ در اخلاق وحسن کردار

ا: تم میں سب سے زیادہ میرا محبوب وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ (بخاری)

۲: تم میں اچھے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔ (بخاری ومسلم)

۳: ایمان میں زیادہ کامل وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔ (ابوداؤد)

۴: خُلُقِ حسن سے بہتر انسان کو کوئی چیز نہیں دی گئی۔ (سنن بیہقی)

۵: قیامت کے دن مومن کی میزان میں سب میں بھاری جو چیز رکھی جائے گی وہ خلق حسن ہے اور اللہ تعالیٰ اس انسان کو درست نہیں رکھتا جو فحش گو اور بدزبان۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فحش گوئی اور بدزبانی اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے، اس سے بچنا نہایت ضروری ہے، عام مسلمانوں کو بھی اور علما وطلبہ کو بھی۔

۶: مومن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے قائم اللیل (راتوں کو نماز وعبادت میں مشغول رہنے والے) اور صائم النہار (دن میں روزہ رکھنے والے) کا درجہ پاجاتا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

۷: مومن دھوکا کھاجانے والا ہوتا ہے (یعنی اپنے کرم نیکی کی وجہ سے دھوکا کھاجاتا ہے نہ کہ بے عقلی سے) اور فاجر دھوکا دینے والا لئیم یعنی بد خلق ہوتا ہے۔ (امام احمد، ترمذی، ابوداؤد)

۸: اللہ سے ڈر، تو جہاں بھی ہو اور برائی ہوجائے تو اس کے بعد نیکی کر کہ یہ اس کو مٹادے گی۔ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کر۔ (احمد، ترمذی، دارمی)

۹: میں اس لیے بھیجا گیا کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کردوں۔ (امام مالک، احمد)

یعنی میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ عملاً وقولاً اخلاق کے تمام مدارج کو لوگوں کے سامنے پیش کردوں۔

مذکورہ حدیثیں بہار شریعت حصہ شانزدہم (۱۶) سے ماخوذ ہیں، اب ان کی روشنی میں مدارس اسلامیہ کا بخوبی جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ یہ مدارس یعنی ان کے اساتذہ، ارکان اور طلبہ کس قدر ان پر عامل ہیں، جب کہ یہ مدارس اسلامیہ اسلامی تعلیمات کے مراکز ہیں، طلبہ کے لیے تربیت گاہ ہیں، دینی معاملات میں قوم مسلم کی امید گاہ ہیں، اگر قوم یہاں سے مایوس ہوگی، طلبہ یہاں سے بغیر تربیت کے محروم جائیں گے تو پھر قوم مسلم کا حال کیا ہوگا!۔ غیر مسلم قومیں حلال وحرام کی تمیز سے یک سرعاری اور اخلاقی قدروں سے ناواقف ہیں، حکومت کے پاس بھی اخلاقی قدروں کے اُجاگر کرنے کا کوئی پروگرام ہی نہیں، جہاں شراب، زنا اور جوا کے پرمیشن دیے جاتے ہوں وہاں سے انسانی ہم دردی، حیاوپارسائی، اور صداقت ووعدہ وفائی کی اُمیدیں باندھنا ایک فضول سی بات ہے؛ اس لیے اسلامی ودینی مدارس کی ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں، ان کو اسلام کا ایسا نمونہ ہونا چاہیے کہ غیر اسلامی افراد ان کے حسن کردار سے متاثر ہوکر اسلام سے قریب ہوں اور اسلام کے خلاف پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں دور ہوں، حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ الہ آباد کی ایک اسلامی خاتون نے بیان کیا کہ الہ آباد عربی فارسی بورڈ کے آفس میں کام کرنے والے ایک غیر مسلم نے کہا کہ 'پہلے تو ہم لوگ داڑھی ٹوپی والوں کو دیکھ کر ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے لیکن جب اس آفس میں کام کرنے کا اتفاق ہوا تو ان کی نا کردنیاں اور دھوکا بازیاں دیکھ کر اب ان سے نفرت ہونے لگی ہے'۔

حالیہ دنوں میں ایک صاحب نے اور بھی اسی قسم کا ایک غیر مسلم آفیسر کا تاثر بیان کیا۔ اب ان حالات میں مسلمان اگر غیروں کی نظروں میں بے وقعت اور بے عزت ہوتے نظر آئیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے! اسی کو کہتے ہیں 'اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنا'۔

پہلے بہار کے مدارس کے بارے میں بہت سننے میں آتا تھا کہ وہاں سرکاری مدارس میں دھاندھلیاں بہت ہوتی ہیں؛ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ یوپی بہار سے بھی آگے نکل گیا ہے اور بہار والے پیچھے ہوگئے ہیں۔ یہی دیکھیے ناکہ اب ایڈیڈ مدارس پورے زور شور سے رشوتیں لے رہے ہیں،

پہلے توسرکاری دفاتر میں کام کرنے والے بدنام تھے اب خود مدرسہ کے ذمہ دار حضرات یا کلرک صاحبان رشوتوں کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ پندرہ لاکھ کے آس پاس تو عام بات ہے ایک مدرسہ میں سنا ہے کہ پچیس لاکھ روپے رشوت میں لیے گئے۔ ان مدارس کو تو چاہیے کہ اب اپنا نام درسگاہ سے بدل کر رشوت گاہ کرلیں اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ جو کوئی اس کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے وہ بے وقوف بنتا ہے، اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے، نمازوں کی پابندی سے مدارس آزاد ہوتے جارہے ہیں، طلبہ ایک دن نماز میں نہ حاضر ہوں تو کوئی پوچھنے والا نہیں، ہاں! اگر درس گاہ میں غیر حاضر ہوجائیں اگرچہ کسی خاص عذر سے ہو تو ان کو ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے اور بہت سے مدارس بلکہ اکثر مدارس تو وہ ہیں کہ طلبہ کی حاضری بھی بالکل معاف ہے بس مدرسہ کا ڈھانچہ کھڑا ہے اور رجسٹر میں حاضریاں بنتی رہتی ہیں وہ بھی ایک دن میں کئی دن کی حاضری بنادی جاتی ہے، اور دھڑا دھڑ تنخواہیں نکال کر خرچ ہونے لگتی ہیں، اس کی فرصت کہاں کہ سوچیں: یہ تنخواہیں جائز بھی ہیں یا نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اب حرام حلال کی فکر بالکل رخصت ہوچکی ہے۔

اب ذیل میں اجمال کے ساتھ چند ان خامیوں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جو مدارس میں عام ہوچکی ہیں اور مزید تاریک مستقبل کا اشاریہ ہیں۔ سب سے زیادہ خرابیاں تو سرکاری (ایڈ والے) مدارس میں ہیں مگر دیگر مدارس میں بھی کافی بے اعتدالیاں در آچکی ہیں۔ ان سب کے ازالے کے لیے تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔ لیجیے اب ملاحظہ کیجیے :

۱: کافی تعداد ایسے مدارس کی ہے جن میں نماز کی پابندی کا کوئی نظم نہیں، نہ طلبہ میں نہ اساتذہ میں۔ بعض بے باک اساتذہ تو یہ بھی کہتے نظر آئے کہ میں بچوں کو کتاب پڑھانے آیا ہوں نماز پڑھنا پڑھانا ہماری ڈیوٹی نہیں، یہ ہمارا نجی معاملہ ہے پڑھیں یا نہ پڑھیں، مدرسہ کے ذمہ داروں کو اس سلسلے میں کچھ کہنے کا کوئی حق نہیں، ایسوں کی کیا سزا ہے اہل فہم پر خوب روشن ہے۔

۲: طلبہ میں اساتذہ واکابر کا جو ادب مدارس کا امتیاز تھا اب وہ بہت تیزی سے رخصت ہوتا جارہا ہے، اس پر بھی توجہ کی ضرورت ہے اور مدارس میں اب اسٹرائک کا جو نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل پڑا ہے اس کی ایک سب سے بڑی وجہ یہی بے ادبی کا ماحول ہے، جب کہ ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں تھا، اس بڑی خرابی کے اِزالے کے لیے ٹھوس اقدام کی ضرورت ہے۔

۳: اساتذہ آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ اور نصوصِ فقہیہ کا جو درس دیتے ہیں ان کو چاہیے کہ ان پر خود چلنے کی کوشش کریں اور پھر طلبہ کو بھی تلقین کریں کہ وہ بھی صرف قراءت وسماعت پر اکتفانہ کریں اور محض امتحان میں پاس ہونے کے لیے درس نہ لیں بلکہ دینی دروس کو اپنے دلوں میں بھی جگہ دیں، اور انھیں ذہن ودماغ میں بسا کر عمل کی راہ ہموار کریں کہ حصولِ علم دین اصل مقصد ہے۔

۴: ذمہ داران مدارس اور خاص طور سے ناظم حضرات کی طرف سے آئے دن ایسی خبریں موصول ہورہی ہیں کہ وہ اپنے مدرسین وملازمین کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور ان کا رویہ حاکمانہ ہوتا ہے جو علما وحفاظ اور دین دار ملازمین کے ہرگز شایانِ شان نہیں بلکہ بدسلوکی وحق تلفی تو کسی عام مسلمان کے ساتھ بھی روا نہیں۔

۵: ناظمین مدارس سے کچھ زیادہ ہی مدرسین وملازمین میں بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں مثلاً وقت پر نہ آنا اور پورے وقت پر دستخط کردینا، تندرست ہوتے ہوئے اپنے کو بیمار ظاہر کرنا، جھوٹی میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کرکے رخصت علالت لینا، درسگاہ میں غیر تعلیمی کاموں میں وقت ضائع کرنا اور کبھی اور کسی نجی مصروفیات کی وجہ سے سبق کا ناغہ کردینا اور بعض کو یہ بھی کرتے دیکھا گیا ہے کہ رجسٹر حاضری پر دستخط کیا اور اپنے کسی ذاتی کام سے نکل پڑے اور طلبہ کا نقصان کرڈالا جب کہ حاضری کی وجہ سے تنخواہ کے بھی مستحق بن گئے، یہ کوتاہیاں بہت عام ہیں۔ اساتذہ اگر غور کریں تو ضرور ان کا ضمیر انھیں خود ملامت کرے گا اگر آخرت کے محاسبے کا خوف ان کے دل میں سما جائے تو جلد ایسی حرکتوں سے توبہ کرتے نظر آئیں گے۔

۶: یہ بھی ایک حقیقت ہے جس سے مجالِ انکار نہیں کہ تعلیم بغیر تربیت کے تقریبًا بے سود ہے بلکہ بسا اوقات مضر ہے، ایک عام آدمی اگر بدعملی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی برائی اسی کی حد تک رہتی ہے لیکن جب کوئی عالم دین بدعملی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی یہ برائی متعدّی ہوجاتی ہے، یعنی دوسرے عوام کو بھی اس سے بدعملی میں شہ ملتی ہے، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جس کی وجہ سے برائیوں کو فروغ ملے گا وہ بھی گناہ میں شریک مانا جائے گا؛ لہٰذا طلبہ مدارس کو (جو آگے چل کر عالم، امام، مدرس، واعظ بننے والے ہیں) تربیت سے آراستہ کرنا ضروری ہے اور یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ بچپن کی عادتیں آئندہ بھی باقی رہتی ہیں بالعموم یہی ہوتا ہے؛ لہٰذا جو بچپن میں نماز کا پابند بن جائے گا آگے کی زندگی میں خود ہی

نماز نہیں چھوڑے گا اور جو بچپن میں نماز سے آزاد رہا بعد میں پابند ہونا امر محال نہیں تو امر دشوار ضرور ہے۔ افسوس کہ زیادہ تر مدارس اور بڑے بڑے دارالعلوموں میں نماز کی پابندی کرانے کا معقول انتظام نہیں، جب کہ اس کی طرف بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

یوں ہی بالعموم طلبہ جب تک جان پہچان نہ ہو کسی کو سلام نہیں کرتے چاہے مولوی مولانا ہوں یا عام متقی مسلمان، جب کہ حدیث شریف میں ہے: 'سلام اسے بھی کرو جسے پہچانتے ہو اور اسے بھی کرو جسے نہیں پہچانتے'۔ (بخاری شریف) اور کسی کو سلام نہ کرنا یہ تکبر کی علامت ہے، اس سے دور رہنا بھی ضروری ہے؛ چنانچہ حدیث شریف میں آیا: 'جو شخص پہلے سلام کرتا ہے وہ تکبر سے بری ہے'۔

(بہار شریعت:۱۶/۴۵۵ مکتبہ المدینہ)

تکبر کی مذمت قرآن پاک اور احادیث کریمہ میں بہت آئی ہے، تو جب طلبہ دوران تعلیم ہی تکبر کا شکار ہو جائیں گے تو بعد میں اور زیادہ ہی تکبر پسند ہوں۔ پھر وہ قوم کی اصلاح کیا کر پائیں گے، اسی لیے تواضع کی احادیث میں فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ۔ (مشکوٰۃ:۴۳۴)

جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اس کو بلندی عطا فرماتا ہے۔

یوں ہی بعض مدارس کے طلبہ دوسرے مدارس کے طلبہ پر اپنا تفوق جتاتے ہیں اور دوسروں کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ بھی تکبر اور نہایت مذموم حرکت ہے، بلکہ دوسرے کو اعزاز دینا اور خاطر مدارات کرنا، اور اس کو ایسا احساس دلانا کہ وہ سمجھے کہ ہم دونوں ایک ہی ہیں لازم ہے۔ تکبر سے آدمی ذلیل ہوتا ہے اور رب عزوجل ناراض، لہٰذا اس سے بچنے کی بشدت کوشش کرنی چاہیے۔

یوں ہی ایک طالب علم بیمار ہو تو دوسرے طلبہ اس کی عیادت ومزاج پرسی کریں اور اس کی حاجت براری میں پوری کوشش بجالائیں کہ اس کو اجنبیت وغیریت کا احساس نہ ہو، عیادت وحاجت براری کے فضائل بھی احادیث میں بہت آئے ہیں ان پر عمل کرنا طلبہ کے لیے بھی ضروری ہے بلکہ نہایت ضروری۔

کوئی باہر سے اجنبی آدمی آئے، عالم ہو یا غیر عالم اس کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آنا فرض ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اجنبی آدمی کسی کا پتا پوچھتا ہے تو طلبہ جواب دیتے ہیں: ہم نہیں جانتے۔ یا فلاں روم میں چلے جائیے۔ اس طرح کا جواب آنے والے کو بددل کر دیتا ہے اور اس پر بہت برا اثر پڑتا ہے، خاص طور سے جب کوئی عام آدمی ہوتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ طلبہ بدخلق ہوتے ہیں یا وہ کہتا ہے: ان کو یہی سکھایا جاتا ہے۔ اس میں اِدارے، طلبہ، اور اساتذہ سب کی بے عزتی ہے؛ لہٰذا ایسی حرکت سے ضرور باز رہنا چاہیے، یہ وبا بہت عام ہے، متعدّد بار ناچیز راقم الحروف کا اس سے سابقہ پڑا ہے۔ اساتذہ کو اس سلسلے میں سخت تنبیہ سے کام لینا چاہیے۔

ایک سیٹھ صاحب بظاہر جو سادے لباس میں تھے ایک مدرسہ میں گئے، انھوں نے وضو کے لیے ایک صاحب سے لوٹا مانگا عشا کا وقت تھا، مدرس صاحب نے لوٹا نہیں دیا اور اشارے سے بتادیا کہ ادھر چلے جائیے، جب کہ وہ کسی طالب علم کو بھی لگا سکتے تھے کہ ان کو لوٹا دے دو یا وضوخانے لے جاؤ، وہ سیٹھ بہت بڑے تھے، کسی طرح جگہ تلاش کر کے وضو بنایا اور نماز پڑھ لی، پھر وہ ذمہ داروں سے مل کر چلے گئے، بعد میں ایک مولانا صاحب سے فرمایا کہ میں تو چندہ دینے گیا تھا مگر مدرسہ والوں کی بدخلقی اور خشکی سے بددل ہو کر واپس لے آیا۔ چندہ تو کسی بھی مدرسہ میں دے کر ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے، ایسے بدخلق لوگوں کو چندہ دینا کوئی زیادہ مفید نہیں۔ غرض کہ حسن خلق کے فوائد وبرکات بے شمار ہیں اور بدخلقی کے نقصانات بھی شمار سے باہر ہیں۔

۷: یہ تماشا بھی بہت دنوں سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ قدیم طلبہ جدید طلبہ کا مذاق اُڑاتے اور ان کو پریشان کرتے ہیں، یہ ایک بدترین تہذیب اور غیر اسلامی رسم ہے جو غالبًا دنیاوی یونیورسٹیوں کے طلبہ سے مستعار لی گئی ہے تضحیک اور مذاق کے سلسلے میں قرآن پاک کی یہ تعلیم ہمیشہ نگاہوں کے نہاں خانے میں محفوظ رکھنے کی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

(الحجرات:۴۹/۱۱)

اے ایمان والو! نہ مرد، مردوں سے ہنسیں، عجب نہیں کہ وہ اِن ہنسنے والوں سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں سے، دور نہیں کہ وہ اِن ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں، اور آپس میں طعنہ نہ کرو، اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو، کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا، اور جو توبہ نہ کریں (ان حرکتوں سے) تو وہی ظالم ہیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت سے چند اخلاقی باتوں پر روشنی پڑتی ہے:

☆کسی کا مذاق بنانا ایمانی تقاضے کے خلاف ہے۔ کسی سچے مسلمان کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا۔

☆کسی کا مذاق اُڑاکر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم بہرحال اس سے بہتر ہیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس کا مذاق اُڑایا جاتا ہے وہ اس مذاق اُڑانے والے سے بہتر ہوتا ہے، اور جب اس کی بہتری ظاہر ہوتی ہے تو اسے شرمندگی اور خفت اُٹھانی پڑتی ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آج وہ کسی معاملے میں کمزور ضرور ہے لیکن جلد ہی محنت کرکے آگے نکل جائے، پھر اس مذاق اُڑانے والے کا کہیں وہ نہ مذاق اُڑانے لگے، پھر تو بڑی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

☆ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو برے القاب سے یاد نہ کرے مثلاً کلوا، نٹوا، لنگڑا، وغیرہ کہہ کر کسی کو نہ پکارے، سوائے اس صورت کے کہ اس قسم کا نام عَلَم (خاص نام) کی حیثیت اختیار کرگیا ہو، یعنی برائی اور مذاق کی نیت سے ایسے الفاظ کسی کے لیے نہ بولے جائیں۔

☆ایک دوسرے کو طعنہ نہ دے کہ اس سے آدمی کو بہت زیادہ تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے، اور کبھی کبھی اس کا انجام بہت بھیانک ہوجاتا ہے، قتل تک کی نوبت آجاتی ہے۔

☆اور ایسا کرنا فِسق ہے، اس سے آدمی فاسق ہوجاتا ہے، اور ایک مسلمان کے لیے فاسق ہونا بہت ہی بری بات ہے۔

☆ایسی حرکتیں کسی سے سرزد ہوجائیں تو چاہیے کہ جلد توبہ کرکے اپنے کو پاک کرلے، اور اگر ضد، ہٹ دھرمی اور تکبر کی وجہ سے توبہ سے گریز کیا تو یہ ظلم ہے اور ایسا کرنے والا ظالم۔

یہ اخلاقی تعلیمات صرف طلبہ کے لیے ہی نہیں ہیں اساتذہ اور مدرسین کے لیے بھی ان میں عبرت کے نمونے موجود ہیں؛ کیوں کہ بسا اوقات زیادہ صلاحیت والے مدرسین کم صلاحیت والے مدرسین کا مذاق اُڑایا کرتے اور ان کو حقیر ظاہر کرتے ہیں اور ان کی کمزوریوں کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں، ان کے لیے بھی یہ حکم عام ہے بلکہ یہ پڑھا لکھا معلم طبقہ زیادہ ذمہ دار ہے کہ ان کا کردار طلبہ کے لیے نمونے کا کام کرتا ہے۔

۸: سرکاری، نیم سرکاری اور خالص پرائیویٹ مدارس میں تنخواہوں کو لے کر بھی آئے دن عجیب وغریب اور غیر شرعی حرکتوں کا ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔ مدرس حیلے بہانے سے تنخواہوں کا مستحق بتاتا ہے اور کمیٹی والے، کہیں محض ناظم تنخواہ بچانے کی کوشش کرتا ہے، اور فریقین میں ہر ایک ہی غلط روش کا شکار ہوتا رہتا ہے، اس سلسلے میں جو بھی ضابطہ بنایا گیا ہو اولاً تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں، اگر ہے تو دور کی جائے، ورنہ ہر ایک ضابطۂ مدرسہ کا لحاظ کرے، نہ مدرس کی حق تلفی ہو نہ مدرسے سے یا گورنمنٹ سے ناجائز تنخواہ وصول کی جائے کہ ناجائز تنخواہ حرام کا درجہ رکھتی ہے، اس کا لینا اور کھانا حرام وناجائز ہی ہوگا۔ یوں ہی مدرس کا واجبی حق نہ دینا بھی گناہ ہے چاہے کمیٹی والے ایسا کریں یا کوئی عہدے دار کرے ناجائز بہرحال ناجائز ہے۔

کچھ لوگ ایسے مواقع پر مدرسے کے فائدہ کی بات کرتے ہیں تو انھیں سن لینا چاہیے کہ فائدہ اگر جائز طریقے سے ہو تو اچھی بات ہے مگر کسی کا حق مار کر اور ناجائز طریقے سے مدرسے کو فائدہ پہنچانا کسی طرح جائز نہیں بلکہ گناہ اور ظلم بھی ہے جو پیسہ ظلم کرکے حاصل کیا جائے یا بچایا جائے وہ کسی طرح مدرسے کے لائق نہیں اور نہ اس کو مدرسہ کے صرف میں لانا جائز، ظلم بہرحال ظلم ہے اور اس کا انجام برا۔

افسوس کہ مدرسین ہوں یا ارکان ادارہ، حلال وحرام کی تمیز ہر ایک سے اُٹھتی جارہی ہے، مدارس جو دینی تعلیمات کا مرکز ہیں وہیں سے دین وشریعت کا جنازہ نکلتا نظر آرہا ہے۔ اس سلسلے میں میری رائے ہے کہ مدارس میں ملازمین وارکان کے درمیان جب بھی اختلافات رونما ہوں تو فقہ وفتویٰ میں تبحر رکھنے والے علما ومفتیان کرام سے استصواب کرکے جو شرعی حکم سامنے آئے اسی پر فریقین کو عمل کرنا چاہیے، اخلاص ودین داری کا بھی یہی تقاضا ہے، ہر فریق اپنی اَنا پر اڑا رہے گا اور ہر ایک اپنے اپنے مفادات کے پیچھے آنکھ بند کرکے دوڑتا رہے گا تو پھر فیصلہ 'حق کی صبح' قیامت تک نمودار نہ ہوگی۔

مدارس اور خانقاہوں کا نظامِ عمل:

آج مدارس اور خانقاہیں بہت تیزی کے ساتھ اپنی افادیت واہمیت کھوتی جارہی ہیں، اخلاقی قدروں کا فقدان بڑھتا جارہا ہے، مادہ پرستی کا ہر جگہ غلبہ نظر آرہا ہے؛ لہٰذا ان حالات میں ہر ایک کو اپنے ماضی کی طرف جھانک کر دیکھنے اور اسلاف کرام کے نظامِ عمل کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج بھی اگر خانقاہیں اور مدارس اپنا نظام درست کرلیں تو بہت جلد ہم ایک پاکیزہ انقلاب کی آہٹ محسوس کریں گے۔ اس سلسلے میں ہم حضرت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی کی ایک شاندار کتاب 'نظام عمل' سے ایک اقتباس ہدیۂ ناظرین کرکے اپنی بات کو پوری کررہے ہیں۔ مولانا خانقاہوں

اور مدارس کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

☆ تبلیغ واشاعت دین کے لیے ہمارے مدارس اور خانقاہوں نے جو عمیق خدمات انجام دی ہیں تاریخ اس کی شاہد ہے، علما ومشائخ ہی تھے جنھوں نے دنیا کے ہر حصۂ ملک میں پہنچ کر اسلام کی دعوت دی اور اپنے ولولۂ عمل اور مجاہدات سے دنیا کو مسخر کر ڈالا، وہ نام ونمود سے دور، حق وصداقت، خلوص وللّٰہیت کا نمونہ تھے۔

☆ ان کی خانقاہوں سے روحانی او رمذہبی تربیت دی جاتی، شاگردوں سے شدید ترین ریاضتیں کرائی جاتیں تاکہ مجاہدات کے عادی ہو کر اسلام کی خدمت میں ہر مصیبت برداشت کر سکیں۔

ایک موقع پر حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لیس الاعتبار بالخرقة انما الاعتبار بالحرقة .

ہمارے یہاں خرقے کا اعتبار نہیں بلکہ اعتبار حرقہ (یعنی خود کو جلا دینے) کا ہے۔

☆ ان حضرات کے شاگردوں کو اس وقت تک خرقۂ خلافت نہ دیا جاتا جب تک وہ اپنے وجود کو عشق الٰہی میں فنا نہ کر دیتے۔ جس وقت یہ جماعت روحانی علوم کی تکمیل کر لیتی اور شیخ کی نظر میں یہ حضرات مکمل ہو جاتے تو ایک ایک حصۂ ملک دعوت وتبلیغ کے لیے تجویز فرما کر روانہ کیا جاتا، پھر یہ روحانی معلّمین جہاں پہنچتے ان کی زندگی کا مقصد صرف خدمت خلق ہوتا، نہ تو انھوں نے اپنے مریدین کو جلبِ منفعت کا ذریعہ بنایا، نہ ان کو بلند عمارتوں، محلاتِ شاہی کا شوق تھا وہ اپنی کملی اور ٹوٹی جھونپڑی میں بادشاہت کرتے تھے۔

☆ آج بھی ان حضرات کی روحیں اپنی اپنی آرام گاہوں میں رہ کر رشد وہدایت فرما رہی ہیں لیکن جو اُن کے نام لیوا ہیں وہ اپنے جادۂ ہدایت سے کوسوں دور ہیں ۔ کاش! ہمارے صوفیہ کرام کی محترم جماعت اپنے اہم فرائض پر غور کرے اور خانقاہوں میں قدیم نظام عمل جاری کرے تو آج ہماری قوم کہاں سے کہاں پہنچ جائے۔

☆ طلبۂ روحانی جمع کیے جائیں، خلفا ومریدین کو سلف کی تعلیمات دے کر رشد وہدایت کے لیے ایک ایک گوشے میں پھیلا دیا جائے، اگر ہماری خانقاہیں اشاعت دین کے لیے متحرک ہو جائیں تو پھر قلیل عرصے میں ان کے نتائج بہتر سے بہتر رونما ہو سکتے ہیں۔

☆ اعراس ومحافل وغیرہ میں اکابر اولیاء اللہ کی خدا پرستی، خشیت الٰہی، اطاعت نبوی، خدمت خلق کے کارنامے سنائے جائیں، محض کشف وکرامات ہی پر تقاریر محدود نہ رکھی جائیں بلکہ ان حضرات کی زندگی کے تمام گوشے مریدین ومعتقدین کے سامنے پیش کیے جائیں تاکہ مردہ قلوب میں حیاتِ نو پیدا ہو، مجاہدات وریاضت کے طریقوں کی تعلیم دی جائے، مریدین وخلق کو سادگی وایثار، خدمت قومی ومذہبی کا عادی بنایا جائے۔ یہی وہ مبارک مقاصد تھے جن پر مشائخ کبار نے عمل فرمایا'۔

(نظام عمل: ص ۲۴۹ تا ۲۵۰۔ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

مدارس اور خانقاہوں میں ہم آہنگی ایک ضروری چیز ہے، مدارس روحانی وقار بحال کریں تو خانقاہیں علم شریعت کے حصول کی طرف جادہ پیما ہوں۔ روحانیت سے عاری اور خشک علم بھی تباہی کا پیش خیمہ ہے اور طریقت کا نام لے کر شریعت سے دور رہنے والی خانقاہیں نظام عالم کو تباہی کے دہانے کی طرف لے جانے والی ہیں۔ علم پر طریقت کا روغن چڑھانا چاہیے اور طریقت تو بے شریعت بے حقیقت ہے ہی، اس میں علم شریعت کی روح پھونکنا زندگی کی علامت ہے۔ آج امت میں جو انتشار ہے میں سمجھتا ہوں اس کی بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت والے طریقت سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور طریقت کے نام لیوا شریعت سے نابلد۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ جو علم شریعت وطریقت دونوں کے امام تھے فرماتے ہیں :

شریعت تمام احکام جسم وجان وروح وقلب وجملہ علوم الٰہیہ ومعارف نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت ومعرفت ہے۔ (مقال عرفا باعزاز شرع وعلما)

یعنی بغیر شریعت آدمی طریقت میں قدم ہی نہیں رکھ سکتا۔ مدارسِ اسلامیہ میں طریقت کے مسائل بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ قرآن پاک حدیث شریف حتیٰ کہ فقہ میں بھی طریقت کے مسائل ورموز ہیں لیکن سرسری پڑھنے پڑھانے والوں کی نگاہیں وہاں نہیں پہنچتی ہیں۔ اس لیے سب کچھ پڑھ کر بھی روحانیت سے کورے رہ جاتے ہیں، اس کے لیے سچے مرشد کی ضرورت پڑتی ہے؛ لیکن مرشد کی صحبت وتربیت سے ہی کچھ کام بنتا ہے؛ ورنہ مروجہ پیری مریدی تو محض حصولِ نسبت کا نام ہے، اگرچہ یہ بھی بہت کارآمد ہے لیکن تربیت چیزے دیگر است، پھر بھی مدرسین توجہ دیں تو بہت سے مسائل تصوف اور رموزِ طریقت کا استخراج کر سکتے ہیں، اور اگر استاذ باعمل وبااخلاق ہے تو اس کی ذرا سی توجہ سے تلامذہ اخلاق وتصوف کا درس لے سکتے ہیں، اور روحانیت کی تعلیم بھی۔ ◘

یورپ پر دینی درس گاہوں کے اثرات

مولانا محمد فروغ القادری

آج سے چودہ سو سال پہلے کون و مکاں کے تاج دار، معلم کائنات حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں اسلام کی سب سے پہلی درس گاہ کی جو بنیاد رکھی تھی، وہ محض مادّی نہ تھی اور نہ ہی اس کا مقصود جنگ جدال اور کشور کشائی تھا۔ بلکہ اس عظیم درس گاہ کی اساس علم و حکمت، عقل و دانش، فکر و فن اور ایمانی و روحانی قدروں پر تھی۔ جس کے لافانی برکات نے صحرا نشینوں کو ایک نئی تہذیب سے آگاہی بخشی جس کی شاخیں مشرق میں اقصائے چین و اور مغرب میں یورپ و افریقہ کے اکناف تک پہنچ گئیں۔ قرطاس و قلم اور تحقیق و تدریس کی توانائیوں سے آفاق و انفس مسخر کیے گئے اور پھر عشقِ رسالت کے جذبۂ بے پناہ کے ساتھ اس درس گاہ نبوی سے ایسے مخلص افراد پیدا کیے گئے جو دیکھتے ہی دیکھتے اپنی ناقابلِ تسخیر قوتوں سے سرشار بحر و بر پر چھا گئے۔ معلومات کی دنیا میں نبی برحق پر نازل ہونے والی کتاب قرآن نے پہلی مرتبہ فضلائے روزگار کو تخلیقِ کائنات اور گردشِ لیل و نہار میں دقتِ نظر صرف کرنے کی دعوت دی۔ اس کا باضابطہ نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے عہد کے عظیم فلاسفہ اور ماہرینِ علم و فن اپنی تمام تر مذہبی عصبیت کے باوجود خود کو مطالعۂ کائنات اور تلاشِ حقیقت سے نہ روک سکے اور اپنی پوری زندگی اس متاعِ گم شدہ کی تلاش میں وقف کر دی۔ اسے علمِ نبوی کا اعجاز کہیے کہ بحرِ ظلمات سے نکلنے والی قوم کو قوتِ فکری کے جواہرات سے آراستہ ایک ایسی شاہ راہِ حیات میسر آئی جس نے انھیں ثریا کی بلندی عطا کی اور رشکِ صد ماہ تاب بنا دیا۔ چناں چہ اولوالعزم صاحبانِ تخت و تاج نے اپنی تمام تر جدو جہد، مال و دولت، جاہ و مرتبت، مشرق کے بلادِ عرب اور مغرب کے اسلامی شہروں میں اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کے لیے نذر کر دی اور جس چیز نے انھیں اس عملی جدو جہد پر آمادہ کیا تھا، وہ کون و مکاں کے تاج دار، معلم کتاب و حکمت کے قدمِ ناز سے ان کے دلوں کا رشتہ تھا۔ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ مغرب کے وہ اربابِ علم و دانش جو مشرقی علما کی عقلی زندگی کی تحقیر اور ان کے ممتاز افراد کی بے قدری کرتے رہے، ان کے تاثرِ علمی، اخلاق و حکمت، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدینہ پر ہمیشہ ناقدر ہے، وہ بھی علمائے اسلامیہ کے سرچشمۂ فیض کے مرہونِ منت نظر آتے ہیں۔ یورپی محققین کو اس بات کا اندازہ ہے کہ مسلم اسپین کی دینی درس گاہوں سے اگر یہاں علم کی روشنی نہیں پہنچتی تو آج پورا یورپ اندھیرا ہوتا۔ مسلم سائنس دانوں کی علمی و تحقیقی خدمات کے اعتراف میں کج کلاہانِ مغرب کی گردنیں خمیدہ رہیں گی۔

دنیائے اسلام میں جہاں سجدوں کی حفاظت اور روحانی بالیدگی کے حصول کے لیے مساجد تعمیر کی گئیں وہیں ان مساجد سے باضابطہ درس گاہ کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ ان مساجد کے علاوہ ہر بڑے شہر میں عظیم الشان دار العلوم بھی موجود تھے۔ مثلاً بغداد میں جامعہ نظامیہ اور دیگر وسیع و عریض جامعات، شیراز میں علوا سلامی کی نشر و اشاعت میں سرگرمِ عمل تھے، جس کی تعداد تقریباً تیس بتائی جاتی ہے، جس میں ہزاروں طلبہ بیک وقت زیرِ تعلیم تھے۔

جب حضرت شیخ سعدی (۱۲۹۱ء) جامعہ نظامیہ میں داخل ہوئے تو اس وقت وہاں سات ہزار طلبہ حصولِ علم میں مصروف تھے۔ مرزا حیرت دہلوی اپنی کتاب حالاتِ سعدی ص:۶۷ میں لکھتے ہیں کہ جامعہ نظامیہ بغداد پورا ایک شہرستانِ علم تھا۔ لاتعداد کمرے اور وسیع ہال جن میں دس ہزار افراد سما سکتے تھے۔ جامعہ میں قرآن، حدیث، فقہ، فلسفہ، منطق، ریاضی، ہیئت اور دیگر علوم کی تدریس کا پورا انتظام تھا۔ ایک شعبہ بین الاقوامی زبانوں کا بھی تھا، جہاں یونانی، عبرانی، لاطینی، سنسکرت اور فارسی پڑھائی جاتی تھی۔

جب گیارہویں صدی عیسوی میں اٹلی [Italy] کا ایک پادری پیٹر [Peter] نامی حصولِ علم کے لیے اسپین گیا تو اس نے قرطبہ و غرناطہ میں اقطارِ عالم کے مختلف گوشوں سے طلبہ کی جماعت دیکھی، جن میں انگریز طلبہ کی بھی ایک خاص تعداد موجود تھی۔ اساتذہ کا سلوک بیرونی ممالک کے طلبہ سے حد درجہ فیاضانہ اور مشفقانہ تھا۔ خلیفہ کے محل کے وسطی حصے میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا، جس میں چار لاکھ کتابیں موجود تھیں، وہاں کاتبوں، جلد سازوں اور نقاشوں کی ایک متحرک جماعت موجود تھی۔ جن کا کام کتابوں کو نقل کرنا اور جلد باندھنا تھا۔ خلیفہ کے درجنوں قاصد وہاں دنیا بھر سے ہر فن کی کتابیں جمع کرنے پر مامور تھے۔ قرطبہ (قدیم مسلم اسپین) کا ایک معروف پادری ''الوارو'' لکھتا ہے کہ ہمارے عہد میں تمام تعلیم یافتہ عیسائی نوجوان عربی مدارس کے تعلیم یافتہ ہیں۔ یہ عربی زبان و ادب کی لطافتوں اور اس کی سحر خیزیوں سے آشنا ہیں۔ عربوں کی کتابوں کو ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں،

مطالعہ کے لیے عربوں کے کتب خانوں سے استفادہ کرتے ہیں، شب و روز عربی زبان و ادب کے گن گاتے رہتے ہیں۔ جب فرانس کا ایک معلم جیبرٹ نامی (۱۰۱۰ء) اسپین سے ریاضی و ہیئت سیکھ کر واپس گیا تو اس کے رفقا وطلبہ اس کی بلاخیز معلومات سن کر حیرت زدہ ہو گئے۔

جامعہ قرطبہ عربوں کی قدیم ترین یونیورسٹی تھی، جس کی بنیاد عبدالرحمٰن سوم (۹۱۲ء-۹۶۱ء) نے ڈالی تھی۔ اس میں افریقہ، یورپ اور ایشیا تک طلبہ کشاں کشاں آتے تھے۔ اس کی گرانڈ لائبریری میں ۶/ لاکھ کتابیں تھیں۔ اس کی فہرست پچاس جلدوں میں تیار ہوئی تھی۔ جب مسلمانوں کو اسپین سے نکالا گیا اور ان کی کتابیں جلا دی گئیں تو اسپین کے بادشاہ فلپ دوم (۱۵۵۶ء-۱۵۹۸ء) کو لائبریری بنانے کا خیال آیا۔ تلاش بسیار کے بعد اسے صرف اٹھارہ سو کتابیں ملیں، جن میں اسلامی کتب صرف ۹۰۰/ تھیں۔ اس لائبریری کا نام اسکوریل لائبریری ہے جو بعد میں میڈرڈ(Madrid) میں قائم ہوئی تھی۔ فرانس کا ایک عظیم مفکر لکھتا ہے کہ: "میں نے قیامِ ہسپانیہ کے دوران دیکھا کہ فرانس، جرمنی، اٹلی اور برطانیہ کے طلبہ جوق در جوق عربوں کے مراکز میں داخل ہو رہے ہیں" عربوں نے ایک درس گاہ طلیطلہ میں بھی قائم کی تھی، جہاں یورپ کے ہر حصے سے طلبہ کثیر تعداد میں آتے تھے۔ جہاں سے یورپی دنیا کے مشاہیر اربابِ قلم نکلے۔ مثلاً رابرٹ (۱۱۴۰ھ) جس نے قرآن عظیم کے سائنسی انکشافات پر ایک ضخیم کتاب مرتب کی اور عہدِ مامون کے عظیم ماہر فلکیات اور ریاضی داں ابو عبداللہ محمد بن موسیٰ خوارزمی کے الجبر والمقابلۃ کو لاطینی میں منتقل کیا۔ اسپین کے علاوہ عربوں نے فرانس اور اٹلی کے شہروں میں بھی درس گاہیں قائم کیں، جہاں بوعلی سینا ۱۰۳۷ھ اور ابوالقاسم بن عباس اندلسی (۱۰۱۷ء) کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔

ریمنڈ مارٹن(Raymond Martin) جو طلیطلہ کے اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز(School Of Oriental Studies) کا فارغ التحصیل تھا، اپنی تصانیف میں بار بار علامہ غزالی کا حوالہ دیتا ہے اور اپنی شاہ کار کتاب Pugio Fidei میں تہافۃ الفلاسفہ کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے۔ الفریڈ کیلام لکھتا ہے کہ: "الغزالی نے یورپ کو اپنی دقتِ طرازِ علمی کاوشوں سے بے حد متاثر کیا، وہ ایک عظیم فلسفی، متکلّم، محدث اور صوفی تھی۔ ان کی منطق، طبیعی اور ما بعد الطبیعی تصانیف بارہویں صدی میں طلیطلہ کے مترجمین کی وساطت سے یورپ میں پھیلیں، گو غزالی کے ما بعد الطبیعی فلسفے کی گرفت "اِوس بران" کے فلسفے سے کم نہ تھی، تاہم یہ فلسفہ دماغوں پر چھا گیا۔ واضح رہے کہ اوس برآن اسپین کا ایک یہودی جو فلسفہ تصوف میں ابن مسرّہ اندلسی (۹۳۱ء) کا شاگرد اور پیرو کار تھا، اس نے Font Vitae کے عنوان سے ایک عربی میں کتاب لکھی تھی جو بعد میں لاطینی زبان میں شائع ہوئی۔ اس کے مختلف انگریزی تراجم یہاں لندن کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

عیسائیوں میں عربی علوم وفنون کے حصول کا ذوق ہمیشہ سے رہا ہے۔ آج بھی آکس فورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی (U.K.) میں شعبۂ عربی کے بیش تر مدرسین عیسائی ہیں۔ اہل یورپ عربوں کے شان دار علوم اور باوقار تہذیب سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ عربی بولنے اور لکھنے پر فخر محسوس کرنے لگے۔ سسلی کے فرماں روا ولیم دوئم اور فریڈرک دوئم (۱۲۱۲ء-۱۲۵۰ء) عربی زبان و ادب کے بہترین فاضل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ولیم عموماً عربی میں گفتگو کیا کرتا تھا، اور فریڈرک نے اپنے دائرۂ سلطنت کے طول و عرض میں عربی درس گاہیں کھول رکھی تھیں جہاں تدریسی فرائض کی انجام دہی کے لیے عالمِ عرب کے ماہر اساتذہ بلائے گئے تھے۔ ولیم کے ہمراہ یہودیوں کی خاصی تعداد فرانس سے برطانیہ پہنچی تھی، جن میں اکثر عربی پر باضابطہ مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے انگلینڈ میں عربی مدارس کھولے۔ اسی زمانے میں آکس فورڈ یونیورسٹی میں عربک ڈپارٹمنٹ (شعبۂ عربی) کا آغاز کیا گیا جو آج تک موجود ہے۔ جہاں دو سو سال بعد راجر بیکن (۱۲۹۴ء) بحیثیت طالب علم داخل ہوا تھا۔ بعد فراغت وہ اسی یونیورسٹی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ یہ اپنے طلبہ سے کہا کرتا تھا کہ حقیقی علم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ عربی زبان ہے۔

۱۹۴۰ء کے آغاز میں ڈاکٹر برنارڈ لوئس نے "انگلستان اور عربی علوم" کے موضوع پر بی بی سی لندن سے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"عربوں نے اسپین اور سسلی میں ایک ایسی شان دار تہذیب کی بنیاد ڈالی جس کی نظیر دنیا میں کہیں اور موجود نہ تھی، عربوں کے بعد بھی ان کا اثر مدتوں باقی رہا۔ ان کے جانشین عیسائی بادشاہ دو سو برس تک عربی لباس پہن کر عربی بولتے اور عربی میں پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں۔ عربی علوم کے حصول کا شوق اس حد تک تھا، کہ طلبہ دور دور سے عربی درس گاہوں میں آتے تھے۔ گو اسپین اور انگلستان کے درمیان ایک ہزار میل تک بحر اوقیانوس پ]ھیلا ہوا تھا اور کشتیوں میں سفر ازبس خطرناک تھا، تاہم برطانیہ کے شائقینِ علم اسپین، سسلہ، مصر اور بغداد تک جاتے تھے۔"

جوڈریپر، بریفالٹ جیسے منصف مزاج یورپی مفکرین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یورپ کی نشأۃ ثانیہ عربوں کی وجہ سے ہوئی، یورپ کی حیاتِ نو کا گہوارہ اٹلی نہیں بلکہ اسپین تھا، جس وقت یورپ جہالت و بربریت کے تاریک گڑھوں میں گرا ہوا تھا، اس وقت بغداد، قاہرہ، قرطبہ اور طلیطلہ سے وہ تہذیب و زندگی نمودار ہو رہی تھی، جس نے بعد میں انسانی ارتقا کو ایک نئی صورت دی۔

یہی فاضل آگے چل کر لکھتا ہے:

"اگر عرب نہ ہوتے تو عصر رواں کی مغربی تہذیب جنم نہ لیتی، یورپی نشو و نما کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے، جس میں اسلامی تہذیب کا یقینی سراغ نہ مل سکے۔ یہ صحیح ہے کہ عربوں نے کوئی کاپرنیکس یا نیوٹن تو نہیں پیدا کیا، تاہم عربوں کے بغیر کاپرنیکس یا نیوٹن کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔" (تشکیلِ انسانیت، ص:۲۴۲)

ڈاکٹر ڈریپر لکھتا ہے کہ:

"قرونِ وسطیٰ میں سائنس کی ترقی مسلمانوں کی بدولت تھی، اس وقت عیسائی دنیا پر جہل و اوہام کی تاریخی محیط تھی اور انھیں علمی مشاغل کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔" یورپ نے عربوں سے تہذیب حاصل کی۔ یورپ میں عربوں کے علوم اسپین، سسلی اور اٹلی کی راہ سے پہنچے۔ اگر عربوں کا نام یورپ کی تاریخ سے نکال دیا جائے تو یورپ کی حیاتِ ثانیہ کئی سو سال پیچھے پڑ جاتی ہے۔"

مشہور انگریز مفکر پروفیسر آرنالڈ لکھتا ہے کہ:

"عربی کتابوں کے سیکڑوں تراجم یورپ کی برباد زمین پر بارش بن کر برسے اور مختلف شعبہ ہائے علم نے انگڑائی لی، مسلمانوں کے ایک ہزار سال تک دنیا میں وہی حیثیت حاصل رہی جو آج یورپ یا امریکہ کو حاصل ہے۔ اس وقت جب کہ یورپ پر ابھی قرون مظلمہ (Dark Age) کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، عرب مسلمان ایک شان دار تہذیب کو وجود میں لا چکے تھے اور اپنی تحقیقات یونانی اور دوسرے علوم کے ترجموں کی مدد سے سائنس اور فلسفہ میں دنیا کی امامت کر رہے تھے۔ مسلمان اس وقت ساری دنیا میں علم و تہذیب کے تنہا مالک تھے۔ عربی زبان دنیا کی واحد علمی زبان تھی اور ساری دنیا کے لوگ علوم وفنون کے اکتساب کے لیے مسلم مراکز دمشق، بغداد، قرطبہ اور غرناطہ کا اسی طرح سفر کرتے تھے جیسے آج لوگ اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ اور امریکہ کے شہروں میں جاتے ہیں۔ ابتداءً تقریباً ایک ہزار سال تک یہ عمل مسلم دنیا میں ہوتا رہا۔ مگر سولہویں صدی عیسوی میں ایک نیا انقلاب آیا۔ مسلمانوں کے آپسی اختلاف کے نتیجے میں ایک طرف بغداد کی عباسی خلافت ٹوٹ گئی اور دوسری طرف اسی باہمی اختلاف کے نتیجے میں اسپین کا آٹھ سو سالہ مسلم اقتدار کا سورج غروب ہو گیا، اس کے بعد مسلم دنیا میں کوئی ادارہ ان لوگوں کی سرپرستی کرنے والا نہ رہا جو علمی و فکری اور تحقیقی کام کر رہے تھے۔ چناں چہ علما و مفکرین کی ایک بڑی تعداد دھیرے دھیرے اٹلی اور فرانس کی طرف منتقل ہو گئی۔ مخصوص اسباب کی بنا پر یورپ میں ان حضرات کو بے حد پذیرائی ملی۔ اب انقلابی عمل جو اس سے پہلے مسلم دنیا میں ہو رہا تھا وہ یورپ کی دنیا میں ہونے لگا۔ تاہم یورپ پہنچ کر اس کے اندر ایک تبدیلی آ گئی۔ مسلم دنیا میں یہ کام اسلام کے زیر اثر ہو رہا تھا، اور یورپ کو اسلام سے براہِ راست کوئی دل چسپی نہ تھی، اس نے اسلامی علوم وفنون کو اسلام سے جدا کر کے خالص علمی حیثیت سے فروغ دینا شروع کر دیا۔ اگرچہ اسلامی علوم اور عربی زبان و ادب کی اس منتقلی کا اثر یورپ کے مسیحی عقائد پر بھی پڑا۔ حتیٰ کہ مارٹن لوتھر (۱۵۴۶ء-۱۴۸۳ء) بلا واسطہ یورپ میں اسلامی اثرات کی پیداوار تھا۔ تاہم علمی و کری تحریک کا ارتقا یورپ میں ایک آزاد اور سیکولر شعبے کے طور پر ہوا نہ کہ مذہب کے ایک ذیلی شعبے کے طور پر۔ جدید مغرب کا سائنسی اور جمہوری انقلاب تمام تر اسلامی انقلاب کی دین ہے۔ البتہ مغرب نے اس کو مذہب سے جدا کر کے سیکولر شکل دے دی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جدید مغربی انقلاب اسلامی انقلاب کی ایک دنیوی صورت ہے، ٹھیک ویسے ہی جیسے ایٹم بم آئنسٹائن کے کے نظریۂ اضافیت کی فوجی صورت ہے اور قومی ملکیت مارکسی نظریہ کی معاشی صورت۔"

(اسلام پندرہویں صدی میں، ملخصًا)

اسلامی درس گاہوں کا نصاب تعلیم اس درجہ جامع تھا کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام مروجہ علوم شامل تھے اور طالب علم کو نحو، صرف، تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، طب، بدیع و معانی، عروض، کلام، فلکیات، مناظرہ اور دیگر اصنافِ علم کا بالاستمرار پڑھنا لازمی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور کے فارغ التحصیل علما آفاق و انفس کے علوم پر حاوی ہوتے تھے۔ مثلاً عمر خیام شاعر بھی تھے اور ماہر علمِ حساب بھی۔ ابن سینا اور رازی طبیب بھی تھے اور فلسفی بھی، یاقوت حموی مورخ بھی تھے اور جغرافیہ داں بھی۔ البیرونی ماہر طبیعیات بھی تھے اور ماہر فلکیات بھی۔ تاریخ انسانی پر متبحر علما اور فضلا نے اپنے فکر و فن کے نقش و نگار چھوڑے ہیں، وہ سب کے سب انھیں اسلامی درس گاہوں کی پیداوار تھے۔ وہ یہیں سے اٹھے اور اپنی شوکت علمی کے فلک الافلاک تک پہنچے۔ عرب و عجم کے جس خطے میں بھی یہ نفوسِ قدسیہ پہنچے اپنی تاب دار تہذیب، لازوال علوم وفنون اور روشن روایات ساتھ لے کر گئے۔ یہ ہر جگہ ابر رحمت بن کر برسے اور دلوں کی ویران اور برباد بستیوں کو بہارستانوں میں بدل گئے۔

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں　　　خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں

مسلمانوں کی سائنسی خدمات کا اگر جائزہ لیا جائے تو تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمانوں نے نہ صرف حیرت انگیز ایجادات کی ہیں، بلکہ موجودہ سائنس کا وجود بھی مسلمانوں ہی کا مرہونِ منت ہے۔ اسلامی

تاریخ میں سیکڑوں مسلم مفکرین اور سائنس دانوں نے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے انتہا درجہ محنت اور جد و جہد کی اور اس باب میں گراں قدر تصانیف مرتب فرمائیں۔ علمِ کیمیا، طبیعیات، حیوانیات، زراعت، ہیئت، طب، ریاضی، فلکیات، نباتات، غرض کہ ہر شعبۂ علم میں تحقیق و ایجادات کر کے مسلمانوں نے سائنسی ترقی کی بنیاد رکھی۔

(Bertrand Russell) لکھتا ہے کہ:

”جب یورپ تاریک دور سے گزر رہا تھا اس وقت عربوں کی کوششوں سے تہذیبی روایات آگے بڑھتی چلی گئیں اور روجر بیکن (Roger Bacon) جیسے عیسائی مفکرین نے قرونِ وسطیٰ کے سائنسی نظریات سے جو فائدہ اٹھایا وہ درحقیقت عربوں ہی کے طفیل تھا۔“

اسی طرح ڈاکٹر فریدون زماں عہدِ اسلامی میں سائنس اور فلسفی کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ:

”ساتویں صدی عیسویں میں یونانی سائنس کو مردہ ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں۔ اگر مسلمان علما ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کو تلاش کر کے عربی میں باضابطہ ترجمہ نہ کرتے تو قوی امکان تھا کہ آج اس دنیا میں ان کتابوں کا وجود نہ ہوتا۔“

سید قطب شہید اپنی کتاب ”جادہ و منزل“ کے صفحہ نمبر ۳۱۲ پر رقم طراز ہیں:

”اس حقیقت سے کسی کو بھی بے خبر نہیں رہنا چاہیے کہ تجرباتی علوم (Empirical Science) جو عہدِ حاضر میں یورپ کی صنعتی تہذیب کی روح رواں ہیں، ان کی جائے پیدائش یورپ نہیں بلکہ اندلس اور مشرق کے مسلم ممالک کی اسلامی یونیورسٹیاں ہیں۔ ان علوم کے بنیادی اصول اسلام کے ان تعلیمات و ہدایات سے اخذ کیے گئے تھے، جن میں کائنات اور اس کی طرت اور اس کے سینے میں مدفون طرح طرح کے ذخائر و خزائن کی جانب اشارے موجود ہیں۔ بعد میں اسی نہج پر یورپ کے اندر ایک مستقل علمی تحریک پیدا ہوئی اور کشاں کشاں وہ ترقی اور تکمیل کے مراحل طے کرتی رہی۔ اس عرصے میں اسلام کا یہ حال ہو گیا کہ وہ اسلام سے دور ہوتا چلا گیا جس کے نتیجے میں اسلامی دنیا میں یہ علمی تحریک پہلے جمود اور سہل نگاری کا شکار ہوئی، پھر بتدریج ختم ہو گئی۔ یورپ نے اسلامی دنیا سے باقی علوم کا جو طریقہ اخذ کیا تھا، اس کا رشتہ اس نے اسکی اسلامی بنیادوں اور اسلامی معتقدات سے کاٹ دیا اور اس نے تجرباتی علوم کے اسلامی طریقۂ کار کو بھی اللہ کی ہدایت سے محروم کر دیا۔“

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کتاب Glimpses of World History کے ص:۱۵۱ پر لکھتے ہیں:

”عربوں سے پہلے مصر، ہندوستان اور چین میں کوئی سائنٹفک علم نہیں تھا۔ بالکل معمولی سا علم یونان میں پایا جاتا تھا۔ روم میں تو بالکل مفقود تھا، مگر عربوں نے سائنٹفک علوم کی بنیاد ڈالی اور وہ فادر آف موڈرن سائن (Father of Modern Science) کہلانے کے مستحق ہیں۔“

مسلمانوں نے نہ صرف کاغذ سازی، شیشہ سازی، گھڑی سازی اور اسلحہ و بارود بنانے میں نمایاں کام کیا، بلکہ زراعت، نباتات، الجبرا، ریاضی، طبیعیات، فلکیات، طب اور فن تعمیر میں بھی خدمات سر انجام دیں۔ آج امریکہ اور یورپی ممالک نے جن علوم و فنون میں مزید تحقیق کر کے کمال حاصل کیا ہے، ان کی ابتدا صدیوں پہلے مسلمانوں نے کی تھی۔ کائنات کی وسعتوں میں غور و فکر، نقد و نظر، علم و تحقیق ہمیشہ سے مسلمانوں کا شعار رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں میں عظیم فقیہ، فلسفی، محدّث، طبیب، مورخ، ریاضی داں اور عقلاے زمن پیدا ہوئے جنھوں نے دنیا کی عصری درس گاہوں پر اپنے مشاہدات و تجربات اور دقت طرازیوں کے نقوش چھوڑے۔ البیرونی، ابوہاشم، بوعلی سینا، عمر خیام، زکریا الرازی، جابر بن حیان، ابن الہیثم، ابن اسحاق کندی، علی ابن سہیل، ابو نصر الفارابی، ابوالقاسم الزہراوی، ابوالحسن علی المسعودی، ابن طفیل، الادریسی وغیرہ ایسے عظیم مسلم سائنس داں، مفکرین اور دانش ور تھے جنھوں نے اپنی شب و روز کی کوششوں اور فکر و تحقیق سے سائنس کی دنیا میں حیرت انگیز ایجادات کیں اور نادر و نایاب عناوین پر کتابیں لکھیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہماری دینی درس گاہوں سے سائنسی مضامین اور سائنسی لیبارٹریز (Laboratories) کے اخراج نے عصر جدید کی علمی مسابقت میں ہمیں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ بحیثیت قوم ہم پر لازم ہے کہ ہم دورِ جدید میں ہونے والی سائنسی تحقیقات میں اپنا نمایاں کردار ادا کریں۔ مصر کے مشہور مفکر سید قطب شہید اپنی کتاب ”اسلام اور جدید مادی افکار“ میں لکھتے ہیں کہ: ”ہمارے لیے بہر حال مذہب اور سائنس کو بر سر پیکار سمجھنے کا کوئی جواز نہیں ہے اور نہ ہمارے لیے یہ مناسب ہے کہ ہم علمی تحقیق کے میدان میں سے مذہبی فکر کو رخصت کر دیں۔ ہم اگر ایسا کریں تو ہماری یہ روش صرف مغرب کی اندھی تقلید اور یورپ کی ذہنی غلامی ہی کہلائے گی اور کچھ نہیں۔ کیوں کہ ہمارے اپنے مخصوص حالات ہیں، ہمارے کچھ قومی خصائص ہیں، اور ہمارا اپنا ایک منفرد نظامِ زندگی اور ضابطۂ حیات ہے۔ اور یہ سب امور مل کر ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم مذہب اور سائنس میں کوئی نہ کوئی رشتہ اور تعلق بہر حال باقی رکھیں۔ اسی صورت میں ہم اپنے وجود کو بیرونی فکری یلغار اور داخلی انتشار سے بچا سکتے ہیں۔“

۲۱/ویں صدی کے آغاز سے ہی مغرب کی تقلید میں مشرق بھی بعض اہم تبدیلیوں سے دوچار ہے۔ معیشت اور تعلیمی اقدار، دونوں کو جدید ترین خطوط پر ڈھالنے کے عزم و ارادے کر لیے گئے ہیں۔ یہاں یورپ اور امریکہ میں ان تمام پروگراموں کو عملی طور پر روبہ عمل لانے کے لیے محرک تریکInstitutionsاور اداروں کا قیام بھی ہو چکا ہے۔ حکومت کے پالیسی ساز شعبے اس باب میں باضابطہ طور پر اپنے کام کا آغاز بھی کر چکے ہیں۔ مغربی ماہرین تعلیم بے شمار نئے موضوعات و مضامین پر تحقیق کر رہے ہیں۔ ادھر جاپان، ملیشیا، سنگاپور، قاہرہ، ریاض، اسلام آباد اور دہلی کے تعلیمی مراکز میں اقتصادیات(Economy) ، سیاسیات(Political Science) اور انتظامی امور(Administration) جیسے اہم ترین مضامین کو خالص درآمد شدہ اصطلاحات میں پڑھایا جا رہا ہے، تاکہ ایوانِ ابیض میں بیٹھے ہوئے مغربی نقاد انھیں مسابقت کے عملی میدان میں دقیانوسی ہونے کا طعنہ نہ دے سکیں۔ اور یہ کسی حد تک واقعتاً صحیح بھی ہے، تاہم حالات کے تناظر میں مجھے نہیں معلوم کہ ہند و پاک کے مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم کو عصری تقاضوں سے کس حد تک ہم آہنگ بنانے کی ممکنہ کوشش کی گئی ہے۔ آج کے موجودہ صورت حال اور عالمی چیلنج کے پس منظر میں مدارس عربیہ کے مروجہ نصاب تعلیم اور روایتی طرز فکر پر از سر نو نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

مدارسِ عربیہ کے نصاب تعلیم کی اساس درس نظامی ہے اور اس نصاب میں آج تک فنون کی بنیادی کتابیں وہی چلی آ رہی ہیں جو قدیم درس نظامی میں موجود تھیں۔ البتہ حالات اور عصری تقاضوں کے پیش نظر بعض صائب الرائے اربابِ علم و دانش کی جانب سے قدرے ترمیم و اضافہ کی کوشش کی گئی ہے اس کے نتیجے میں قدیم نصاب میں داخل بعض علوم نیز معقولات کی بہت سی کتابیں خارج کر دی گئیں۔ قدیم نصاب میں عام طور پر بیس علوم و فنون کی تقریباً ڈیڑھ سو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، مروّجہ نصاب کے آٹھ سالہ کورس میں نحو، صرف، معانی و بلاغت، ادب و انشا، منطق، فلسفہ، ہیئت، کلام، مناظرہ، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث اور اصولِ حدیث، ان پندرہ علوم کی تقریباً ساٹھ کتابیں اکثر مدارس میں داخل ہیں۔ اس میں قطعی دو رائے نہیں کہ درس نظامی کسی بھی فن میں سرسری اور عبوری معلومات کے بجائے مستحکم ملکہ اور ٹھوس علمی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اس نصاب کا محنت سے پڑھنے والا کوئی بھی فاضل حد درجہ علمی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ درس نظامی میں پڑھائی جانے والی کتابیں متعلقہ علوم کی تمام اور آخری معلومات سے طلبہ کو اس طرح روشناس کرا دیتی ہیں کہ پھر ان علوم میں مزید کسی مطالعے یا دقت طرازی کی ضرورت نہیں رہتی، ایسا کہنا بھی خلافِ واقع اور غلط ہوگا۔ بلکہ اس کے پڑھنے سے متعلقہ فن میں مستحکم صلاحیت اور ماخذ کی تفہیم و تعبیر میں نمایاں ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فنون عام طور پر مختصر اور مغلق عبارتوں کی حامل ایسی کتابیں رکھی گئی ہیں کہ جب تک پڑھنے والا اس کی طرف اپنی تمام تر توجہات مرکوز نہ کرے، ان کتابوں سے استفادہ ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح طالب علم میں مشکل عبارات حل کرنے، دقیق مسائل سمجھنے اور کنایات سے نتائج اخذ کرنے کا ایک خاص ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، جو فطری اور ذاتی طور پر اس قدر استعداد پیدا کر دیتا ہے کہ وہ آگے استاذ کی مدد کے بغیر اپنے مطالعے سے متعلقہ علوم کے مطوّلات سمجھ سکے۔

واضح رہے کہ مذکورہ خوبیوں کے باوجود مدارسِ عربیہ کے موجودہ نصاب تعلیم میں کچھ خامیاں بھی ہیں اور عام علمی حلقوں میں اس بات پر پھر ایک بار زور دیا جا رہا ہے کہ موجودہ نصاب میں عصری تقاضوں اور ضرورتوں کے پیش نظر مزید تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ اس نصاب کی ایک بڑی خامی یہ بیان کی جاتی ہے کہ ابتدائی چند کتابیں چھوڑ کر تمام علوم کی کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ ان علوم میں نحو، صرف، ادب و انشا اور معانی و بلاغت وہ علوم ہیں جن کا بنیادی مقصد صرف عربی زبان پر عبور اور قدرت حاصل کرنا ہے۔ اس لیے کہ عربی قرآن و حدیث کی زبان ہے۔ اسلامی علوم کے مصادر و مراجع کی زبان ہے اور عربی زبان سے گہری واقفیت کے بیر اسلامی علوم میں مہارت ممکن نہیں۔ لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ درس نظامی کے فارغین کی اکثریت عربی زبان پر مکمل قدرت نہیں رکھتی۔ المیہ یہ ہے کہ، درس نظامی کے عام فضلا نہ صحیح عربی بول سکتے ہیں نہ ی لکھ سکتے ہیں۔ در اصل عربی بول چال اور عربی زبان کے جدید اسلوب میں تحریری صلاحیت درس نظامی کے مقاصد میں سرے سے شامل ہی نہیں۔ درس نظامی میں عربی علوم، قرآن و حدیث کی تفہیم کے لیے فنّی انفاز سے پڑھائے جاتے ہیں لیکن اب وقت کے تقاضے نے عربی پر تحریر و تقریر کی قدرت کو ایک عالمِ دین کی بنیادی ضرورت اور اس کے علمی تشخص کے لیے اساسی متون کی حیثیت دے دی ہے۔ عصر حاضر میں عالمِ اسلام کے عرب دنیا سے ارتباط اور بڑھتے ہوئے تعلقات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اپنی بات ان تک پہنچانے، ان کی بات سمجھنے، نیز برصغیر کے علما کے اردو زبان میں گراں قدر علمی اثاثے سے عالمِ عرب کو روشناس کرانے کے لیے نئی عربی اصطلاحات اور جدید اسلوب سے واقفیت ضروری ہے۔.........**(جاری)**

•••



جہانِ عشق کی بھی کیا خوب باتیں ہیں، جہاں وصالِ محبوب ہی مقصود ہوا کرتا ہے۔ وصال کی امید اور تمنا ہی زندگی کی سانسیں ہوجایا کرتی ہیں۔ وہیں وصالِ محبوب کا کوئی ذریعہ نظر نہ آنا اور امید کا ٹوٹتا نظر آنا گویا عاشق کا مرض الموت میں مبتلا ہونا ہوتا ہے اور پھر فراقِ یار کا مقدر ہوجانا اس عاشق زار بے یار و مددگار کی موت شمار کی جاتی ہے۔ یہ تو عشق مجازی کی بات تھی اور یہ ایسا عشق ہے جس کا نشہ اتر جایا کرتا ہے لیکن ناچیز راقم ایسے عشق کی بات کرنا چاہتا ہے جس کا نشہ اترتا نہیں بلکہ جو اس نشے میں مدہوش ہو جاتا ہے وہ اور بھی مدہوش ہوتا چلا جاتا اور وہ عشق حقیقی ہے جی ہاں! بات عشقِ حقیقی اور محبوبِ حقیقی کی ہو تو پھر کیا کہنا۔ یہی وہ عشق ہے جس کا نشہ کوئی ترشی نہیں اتار سکتی۔

میں مصطفی کے جامِ محبت کا مست ہوں
یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

یہ عشق ہی وہ مرض ہے جس کی لذت سے شاد کام ہونے کے بعد عاشق اسے اپنی جان تصور کرتا ہے، بارگاہِ خداوندی میں روز بروز اس میں زیادتی کے لیے دعا گو رہتا ہے اور درد کا مزہ ایک بار جسے نصیب ہوجاتا ہے وہ ناز دوا اٹھانے کی فکر نہیں کرتا۔

جان ہے عشقِ مصطفی روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اٹھائے کیوں

حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت بے شمار اوصاف و کمالات کی حامل تھی، علم و عمل، فضل و کمال اور زہد و ورع میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ سر دست ہم ذکر کریں گے ان کے عشقِ رسول ﷺ اور اتباعِ سنتِ مصطفی ﷺ کا۔

جوتا پہننے کی سنت نعلین پہننا سنت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سیدھا جوتا پہنے پھر الٹا اور اتارنے میں پہلے الٹا اتارے پھر سیدھا۔ چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنَى، وَإِذَا خَلَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُسْرَى۔

یعنی جب کوئی شخص جوتا پہنے تو پہلے داہنے پاؤں میں اور جب اتارے تو پہلے بائیں پاؤں کا اتارے۔[1]

اب سنیے! اپنے محبوب کی اداؤں سے اپنی زندگی کو سجانے کی ایک عاشق کی داستان۔ جن کی پوری زندگی معلمِ کائنات ﷺ کی سیرتِ پاک کا نمونہ اور سنت نبوی کا آئینہ دار تھی آپ رحمہ اللہ تعالی علیہ اپنے ہر عمل میں سُنَّت کا بہُت زیادہ خیال رکھتے تھے، ایک بار حضرت حافظ ملت کے دائیں پاؤں میں زخم ہوگیا، ایک صاحِب دوا لے کر پہنچے اور کہا: حضرت! دوا حاضر ہے۔ جاڑے (یعنی سردیوں) کا زمانہ تھا حضرت مَوزہ پہنے ہوئے تھے، آپ نے پہلے بائیں (یعنی اُلٹے) پاؤں کا مَوزہ اُتارا، وہ صاحِب بول پڑے: حضرت! زَخم تو داہنے (یعنی سیدھے) پاؤں میں ہے! آپ نے فرمایا: بائیں (یعنی اُلٹے) پاؤں کا پہلے اُتارنا سُنّت ہے۔[2]

ملاحظہ توکیجیے محبوب کی ادا کو کس توجہ اور اہتمام سے ادا کیا جارہا ہے اور یہ ایسا بھی نہیں کہ غیر ارادی طور پر ایسا ہوگیا ہو بلکہ اہتمام کے ساتھ، جبھی تو جواب دیا "بائیں پاؤں کا پہلے اتارنا سنت ہے"۔ اے کاش کہ ہمیں بھی سنتوں پر عمل کا جذبہ نصیب ہوجائے۔ (آمین)

سرمہ کی سنت سرمہ لگانا ہمارے پیارے آقا ﷺ کی سنت مبارکہ ہے چناں چہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

أن النبی ﷺ كانت له مكحلة يكتحل بها كل ليلة ثلاثة فی هذه وثلاثة فی هذه۔

یعنی نبی پاک صاحب لولاک ﷺ سونے سے پہلے ہر آنکھ میں اثمد کی تین سلائیاں لگایا کرتے تھے۔[3]

آفتاب نبوت ماہتاب رسالت ﷺ کی اس سنت مبارکہ پر بھی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا عمل تھا جیاں۔ حضور حافظ ملّت کی عمر شریف ستّر سال سے مُتجاوز (زیادہ) ہو چکی تھی، ٹرین سے سفر کر رہے تھے جس بَرتھ پر تشریف فرما تھے، اتفاق سے اُس پر ایک ڈاکٹر صاحِب بھی بیٹھے تھے، ڈاکٹر صاحِب نے سلسلہ کلام شُروع کیا تو آپ کی جلالتِ علمی سے بہت متاثر ہوئے اور بار بار آپ کی طرف حیرت سے دیکھتے رہے، دورانِ گفتگو ڈاکٹر صاحِب نے تعجُّب کا اظہار کرتے ہوئے کہا: مولانا صاحِب! میں آنکھوں کا ڈاکٹر ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ اِس عمر میں بھی آپ کی بینائی میں کوئی فَرق نہیں، بلکہ آپ کی آنکھوں میں بچّوں کی آنکھوں جیسی چمک ہے، مجھے بتایئے کہ اس کے لئے آخر کیا چیز استعمال کرتے ہیں؟ فرمایا: ڈاکٹر صاحِب! میں کوئی خاص دوا وغیرہ تو استعمال نہیں کرتا، ہاں ایک عمل ہے جسے میں بِلاناغہ کرتا ہوں، رات کو سونے کے وَقت سُنّت کے مطابِق سُرمہ استعمال کرتا ہوں اور میرا یقین ہے کہ اِس عمل سے بہتر آنکھوں کے لیے دُنیا کی کوئی دَوا نہیں ہو سکتی۔ (۴)

اس عاشق صادق کے بارے میں ایسا گمان نہ کیا جائے کہ ایک دو ہی سنتوں پر عامل ہوں گے نہیں بلکہ وہ اپنی زندگی کو سنتوں کے سانچے میں ڈھالنے کی پوری کوشش کرتے تھے اور حقیقت تو یہ ہے کہ آپ واقعۃً سنتوں کے پیکر تھے۔

سنت کے مطابق زندگی | آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی نہایت سادہ اور پُر سُکون تھی کہ جو لباس زیبِ تن فرماتے وہ موٹا سوتی کپڑے کا ہوتا، کُرتا کلی دار لمبا ہوتا، پاجامہ ٹخنوں سے اوپر ہوتا، سر مبارک پر ٹوپی ہوتی جس پر عمامہ ہر موسم میں سجا ہوتا، شیروانی بھی زیب تن فرمایا کرتے، چلتے وقت ہاتھ میں عصا ہوتا۔ راستہ چلتے تو نگاہیں جُھکا کر چلتے اور فرماتے: میں لوگوں کے عُیوب نہیں دیکھنا چاہتا۔ گھر میں ہوتے تو بھی حَیا کو ملحوظِ خاطر رکھتے، صاحب زادیاں بڑی ہوئیں تو گھر کے مخصوص کمرے میں ہی آرام فرماتے، گھر میں داخل ہوتے وقت چھڑی زمین پر زور سے مارتے تاکہ آواز پیدا ہو اور گھر کے لوگ خبر دار ہو جائیں، غیر محرم عورتوں کو کبھی سامنے نہ آنے دیتے۔ (۵)

سنت کے مطابق عادات مبارکہ | وضو کرنے کے لیے بیٹھنا ہوتا قبلہ رخ بیٹھتے۔ حضرت کا پاجامہ کبھی اتنا لمبا نہ دکھا کہ ٹخنہ چھپ جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وضع اور لباس کا انداز دیکھ کر لوگوں کو شرعی وضع سمجھ میں آجاتی تھی۔ سفر و حضر میں حضور حافظ ملت کی پیاری پیاری اداؤں میں سے یہ بھی تھا کہ کھانے سے پہلے اور بعد دونوں ہاتھ گٹے تک دھوتے اور لقمہ خوب چبا کر کھاتے، کھانا خواہ مزاج کے موافق ہو یا ناموافق، اس میں عیب نہ نکالتے، کھانے کے بعد فوراً پانی نہ پیتے بلکہ کچھ وقفے کے بعد پیتے۔ اسی طرح پانی جب بھی پیتے، چوس کر تین سانس میں پیتے۔ (۶)

سیرت نبوی کا واقعہ | جماعت سابعہ کا طالب علم تھا، ربیع النور شریف کے بعد کسی مہینے میں ماسٹر فیاض صاحب کے دولت خانے پر کھانے کی دعوت تھی، جب شرکائے دعوت نے کھانا شروع کیا، اسی درمیان طلبہ کی ضیافت کے متعلق باتیں ہونے لگیں تو ماسٹر صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ: ایک مرتبہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے پاس ایک صاحب آئے اور عرض کیا: حضور! کافی تنگ دست ہوں، کبھی کبھی تو فاقے کی بھی نوبت آپڑتی ہے، آپ دعا فرمائیں اور کوئی وظیفہ عطا فرمائیں کہ تنگ دستی دور ہو جائے۔ تو آپ نے اس سے فرمایا: ایک طالب علم کو اپنے گھر کھانا کھلانا شروع کردو۔ وہ شخص حیران ہوا لیکن پھر حامی بھر لی کہ حضور حافظ ملت کا قول تھا۔ کچھ مہینوں کے بعد وہ شخص حاضر بارگاہ ہوا تو حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اس سے حالات دریافت کیے۔ اس نے جواب دیا کہ حضور! آپ کی دعاؤں سے کافی آسانیاں ہوئیں اور اب فاقے کی نوبت نہیں آتی۔

اس کے بعد ماسٹر صاحب نے فرمایا کہ بہر حال طلبہ کی ضیافت میں تو میں نے کافی برکت دیکھی اور پائی بھی ہے اور اسی لیے میں وقتا فوقتا دو تین ہی طلبہ سہی، ان کی دعوت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

واقعۃً یہ واقعہ حیران کن ضرور ہے کہ ایک شخص اپنی تنگ دستی اور فاقے کی بات کر رہا ہے اور حافظ ملت علیہ الرحمہ اسے ایک طالب علم کے کھلانے کا سلسلہ شروع کرنے کو فرما رہے ہیں۔ لیکن اس ناچیز راقم کا حسن ظن ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے یوں ہی ایسا نہیں فرمایا ہو گا بلکہ آپ کی نگاہوں میں سیرت نبوی کا یہ واقعہ ہو گا کہ:

"عن انس بن مالك قال:كان اخوان على عهد النبى ﷺ فكان احدهما ياتى النبى ﷺ والآخر يحترف فشكى المحترف اخاه الى النبى ﷺ فقال لعلك ترزق به " (۷)

یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ کے دور اقدس میں دو بھائی تھے، ان میں سے ایک نبی پاک صاحب لولاک ﷺ کی خدمت بابرکت میں (علم دین سیکھنے کے

لیے) آتا تھا اور دوسرا بھائی کام کاج کیا کرتا تھا۔ ایک دن کاریگر بھائی نے نبی معظم ﷺ سے اپنے بھائی کی شکایت کی (کہ وہ بھی کام کرتا تو مجھے آسانی ہوتی) تو اللہ کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تجھے اس (کے علم) کی برکت سے روزی مل رہی ہے۔" جی اس شخص کی تنگ دستی اور فاقہ اس طالب علم کے علم کی برکت سے ختم ہوا ہوگا۔

یقیناً آپ کو اندازہ ہو گیا ہو کہ عشق رسول کیا ہوا کرتا ہے۔ اس عشق کے متوالے کیسے ہوا کرتے ہیں لیکن آہ! بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ آج ہم بھی ان کا کلمہ پڑھتے ہیں، ان کے نام پر جان نچھاور کرنے کی باتیں کرتے ہیں، عشق رسالت کا دعوی کرتے ہیں، عاشق رسول ہونے کا دم بھرتے ہیں پھر بھی محبوب حقیقی کی شان میں گستاخیاں کرنیوالوں، ان کے کارٹون بنانے والوں، ان کی تعلیمات کا مذاق اڑانے والوں، تنقیدیں کرنے والوں کے طور طریقے اپنائے ہوئے ہیں۔ کیا اسے ہی عشق کہتے ہیں، کیا یہی عشق کا درس ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ عشق کا درس تو وہ ہے جو حافظ ملت نے اپنے عمل کے ذریعے ہمیں دیا۔ آئیے ہم سبھی ان بزرگوں کے دیے ہوئے درس کے مطابق محبوب کائنات ﷺ کے عشق کا جام پییں اور عشق حقیقی کی دنیا میں قدم رکھیں، پھر دیکھیں کہ عشق کسے کہتے ہیں، عشق میں تڑپنا کیا ہوتا ہے، عشق میں تڑپنے کا مزہ کیا ہوتا ہے، عشق کا اصل مطلوب ومقصود کیا ہوتا ہے؟ ساتھ ہی ان گستاخان رسول کا بائیکاٹ کچھ یوں کریں کہ فرنگی لباسوں اور فیشنوں کو چھوڑ کر محبوب پاک ﷺ کا لباس، ان کی سنت، ان کی اداؤں کو اپنائیں اور ان کے نقش قدم پر چلیں۔

{حوالے}

(۱)سنن ابن ماجه،كتاب اللباس،باب لبس النعال وخلعها ،حديث :٣٦١٦

(۲)ماهنامه اشرفيه،اپريل،٢٠١٢

(۳)جامع الترمذى ،كتاب اللباس ،باب ما جاء فى الاكتحال ،حديث :١٧٥٧

(٤)ماهنامه اشرفيه،اپريل،٢٠١٢

(٥)فيضان حافظ ملت،ص:١٦

(٦)ماهنامه اشرفيه،اپريل،٢٠١٢

(٧)سنن الترمذى،باب فى التول على الله ،حديث :٢٥١٦

فکر و نظر

عصری بے راہ روی کا سدِّباب

تعلیمات غوث اعظم کی روشنی میں

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

مارچ ۲۰۱۶ء کا عنوان — عالمی دہشت گردوں کو اسلحہ کی فراہمی - کیوں اور کیسے؟

اپریل ۲۰۱۶ء کا عنوان — فیس بک کے ذریعہ دعوت و تبلیغ: چند اہم تجاویز

ملفوظاتِ غوثِ اعظم کی عصری معنویت

مولانا توحید احمد رضوی، استاذ جامعہ تحسینیہ ضیاء العلوم، بریلی شریف

اللہ کے نیک بندوں سے محبت کرنا یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ کو محبوب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (پارہ ۱۱، سورۂ توبہ، آیت ۱۱۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے سے ڈرنے اور صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم فرمایا ہے تاکہ لوگ ان کی صحبت میں رہ کر خود بھی سچے راستے پر گامزن رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں سے ایک بندے سرکار بغداد حضور غوث پاک سید نا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، جو کہ تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں۔

سرکار بغداد حضورِ غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم مبارک "عبد القادر" اور آپ کی کنیت "ابو محمد" اور القابات "محی الدین، محبوب سبحانی، غوث الثقلین، غوث الاعظم" وغیرہ ہیں، آپ ۴۷۰ھ میں بغداد شریف کے قریب قصبہ جیلان میں پیدا ہوئے اور ۵۶۱ھ میں بغداد شریف میں وصال فرمایا، آپ کا مزار پر انوار عراق کے مشہور شہر بغداد میں ہے۔

الحمد للہ ہم اہل سنت والجماعت حضور غوث پاک سے حد درجہ محبت و انسیت رکھتے ہیں اور ان کے نام کی فاتحہ دلاتے ہیں، یہ سب کام یقیناً جائز اور باعث برکت ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی بھی انسان سے محبت کا تقاضا جب ہی پورا ہو سکتا ہے جب اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلا جائے۔ میں کسی کی محبت پر شک نہیں کر رہا لیکن اگر آج جائزہ لیا جائے تو یہ بات ہم پر آشکارا ہو جائے گی کہ آج ہم حضور غوث پاک سے محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن صحیح معنیٰ میں ہم ان سے محبت کا دعوے میں سچے نہیں ہیں، انھوں نے ہمیں زندگی جینے کا جو راستہ بتایا آج ہم اس کو بھولے ہوئے ہیں، ہمیں انھوں نے نبی کریم سے جس محبت کا درس دیا آج ہم اس کو پس پشت ڈالے ہوئے ہیں، جو تعلیمات حضور غوث پاک نے ہمیں عطا فرمائیں آج ہم ان پر عمل پیرا ہونا تو دور ان تعلیمات کے خلاف عمل کرنے کو اپنے لیے فخر سمجھ رہے ہیں۔

حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہماری محبت سچی اسی وقت ہو سکتی ہے جب ہم ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب بندے حضور غوث پاک کی تعلیمات پر مجھ حقیر کو اور جملہ افراد اہل سنت کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اسی امید کے ساتھ حضور غوث پاک کے چند ملفوظات حاضر ہیں۔

خوف خدا: حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی شیخ عبد القادر

جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خوف کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

"اس کی بہت سی قسمیں ہیں (۱) خوف ... یہ گنہگاروں کو ہوتا ہے (۲) رہبہ... یہ عابدین کو ہوتا ہے (۳) خشیت ... یہ علما کو ہوتی ہے۔"

نیز ارشاد فرمایا:

"گنہ گار کا خوف عذاب سے، عابد کا خوف عبادت کے ثواب کے ضائع ہونے سے اور عالم کا خوف طاعات میں شرک خفی سے ہوتا ہے۔"

پھر آپ نے فرمایا:

"عاشقین کا خوف ملاقات کے فوت ہونے سے ہے اور عارفین کا خوف ہیبت و تعظیم سے ہے اور یہ خوف سب سے بڑھ کر ہے کیوں کہ یہ کبھی دور نہیں ہوتا اور ان تمام اقسام کے حاملین جب رحمت و لطف کے مقابل ہو جائیں تو تسکین پا جاتے ہیں۔" (بهجة الاسرار، ص ۶۳۲)

اطاعت الٰھی: حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قطب ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اللہ عزوجل کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے اور سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے، اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ تو اللہ عزوجل کا بندہ ہے اور اللہ عزوجل ہی کی ملکیت میں ہے، اس کی کسی چیز پر اپنا حق ظاہر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کا ادب کرنا چاہیے کیوں کہ اس کے تمام کام صحیح و درست ہوتے ہیں، اللہ عزوجل کے کاموں کو مقدم سمجھنا چاہیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر قسم کے امور سے بے نیاز ہے اور وہ ہی نعمتیں اور جنت عطا فرمانے والا ہے، اور اس کی جنت کی نعمتوں کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اس نے اپنے بندوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ چھپا رکھا ہے، اس لیے اپنے تمام کام اللہ عزوجل ہی کے سپرد کرنا چاہیے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا فضل و نعمت تم پر پورا کرنے کا عہد کیا ہے اور وہ اسے ضرور پورا فرمائے گا۔

بندے کا شجرِ ایمانی اس کی حفاظت اور تحفظ کا تقاضا کرتا ہے، شجرِ ایمانی کی پرورش ضروری ہے، ہمیشہ اس کی آبیاری کرتے رہو، اسے (نیک اعمال کی) کھاد دیتے رہو تاکہ اس کے پھل پھولیں اور میوے برقرار رہیں اگر یہ میوے اور پھل گر گئے تو شجرِ ایمانی ویران ہو جائے گا اور اہلِ ثروت کے ایمان کا درخت حفاظت کے بغیر کمزور ہے لیکن تفکرِ ایمانی کا درخت پرورش اور حفاظت کی وجہ سے طرح طرح کی نعمتوں سے فیضیاب ہے، اللہ عزوجل اپنے احسان سے لوگوں کو توفیق عطا فرماتا ہے اور ان کو ارفع و اعلیٰ مقام عطا فرماتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر، سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ اور اس کے دربار میں عاجزی سے معذرت کرتے ہوئے اپنی حاجت دکھاتے ہوئے عاجزی کا اظہار کر، آنکھوں کو جھکاتے ہوئے اللہ عزوجل کی مخلوق کی طرف سے توجہ ہٹا کر اپنی خواہشات پر قابو پاتے ہوئے دنیا و آخرت میں اپنی عبادت کا بدلہ نہ چاہتے ہوئے اور بلند مقام کی خواہشات دل سے نکال کر رب العالمین عزوجل کی عبادت و ریاضت کرنے کی کوشش کرو۔ (فتوح الغیب مع قلائد الجواہر، ص ۴۴)

رضائے اللہ تبارک و تعالی: حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قطب ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی کوئی دعا قبول فرماتا ہے اور جو چیز بندے نے اللہ تعالیٰ سے طلب کی وہ اسے عطا کرتا ہے تو اس سے ارادۂ خداوندی میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ نوشتۂ تقدیر نے جو لکھ دیا ہے اس کی مخالفت لازم آتی ہے کیوں کہ اس کا سوال اپنے وقت پر رب تعالیٰ کے ارادہ کے موافق ہوتا ہے اس لیے قبول ہو جاتا ہے اور روزِ ازل سے جو چیز اس کے مقدر میں ہے وقت آنے پر اسے مل کر رہتی ہے۔

(فتوح الغیب مع قلائد الجواهر، ص ۵۱۱)

وجد: حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قطب ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے وجد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"روح اللہ عزوجل کے ذکر کی حلاوت میں مستغرق ہو جائے اور حق تعالیٰ کے لیے سچے طور پر غیر کی محبت دل سے نکال دے۔"

(بهجة الاسرار، ص ۶۳۲)

وفا: حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی سے دریافت کیا گیا کہ وفا کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"وفا یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی حرام کردہ چیزوں میں اللہ عزوجل کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے نہ تو دل میں ان کے وسوسوں پر دھیان دے اور نہ ہی ان پر نظر ڈالے اور اللہ عزوجل کی حدود کی اپنے قول اور فعل سے حفاظت کرے، اس کی رضا والے کاموں کی طرف ظاہر و باطن سے پورے طور پر جلدی کی جائے۔" (بهجة الاسرار، ص ۵۳۲)

صدق: حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صدق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ فرمایا کہ:

(۱)۔ اقوال میں صدق تو یہ ہے کہ دل کی موافقت قول کے ساتھ

اپنے وقت میں ہو۔

(۲)۔ اعمال میں صدق یہ ہے کہ اعمال اس تصور کے ساتھ بجالائے کہ اللہ عزوجل اس کو دیکھ رہا ہے اور خود کو بھول جائے۔

(۳)۔ احوال میں صدق یہ ہے کہ طبیعتِ انسانی ہمیشہ حالتِ حق پر قائم رہے اگرچہ دشمن کا خوف ہو یا دوست کا ناحق مطالبہ ہو۔"

(بھجۃ الاسرار، ص ۵۳۲)

صبر کی حقیقت: حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قطب ربانی غوث صمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صبر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

"صبر یہ ہے کہ بلا و مصیبت کے وقت اللہ عزوجل کے ساتھ حسن ادب رکھے اور اُس کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔"

(بھجۃ الاسرار، ص ۴۳۲)

شکر: سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"شکر کی حقیقت یہ ہے کہ عاجزی کرتے ہوئے نعمت دینے والے کی نعمت کا اقرار ہو اور اسی طرح عاجزی کرتے ہوئے اللہ عزوجل کے احسان کو مانے اور یہ سمجھ لے کہ وہ شکر ادا کرنے سے عاجز ہے۔"

(بھجۃ الاسرار، ص ۴۳۲)

دنیا: حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دنیا کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

"دنیا کو اپنے دل سے مکمل طور پر نکال دے پھر وہ تجھے ضرر یعنی نقصان نہیں پہنچائے گی۔" (بھجۃ الاسرار، ص ۳۳۲)

توکّل کی حقیقت: حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توکّل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"دل اللہ عزوجل کی طرف لگا رہے اور اس کے غیر سے الگ رہے۔"

نیز ارشاد فرمایا کہ:

"توکل یہ ہے کہ جن چیزوں پر قدرت حاصل ہے ان کے پوشیدہ راز کو معرفت کی آنکھ سے جھانکنا۔" (بھجۃ الاسرار، ص ۲۳۲)

محبت: حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی سے دریافت کیا گیا کہ "محبت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

"محبت، محبوب کی طرف سے دل میں ایک تشویش ہوتی ہے پھر دنیا اس کے سامنے ایسی ہوتی ہے جیسے انگوٹھی کا حلقہ یا چھوٹا سا ہجوم، محبت ایک نشہ ہے جو ہوش ختم کر دیتا ہے، عاشق ایسے محو ہیں کہ اپنے محبوب کے مشاہدہ کے سوا کسی چیز کا ان ہیں ہوش نہیں، وہ ایسے بیمار ہیں کہ اپنے مطلوب (یعنی محبوب) کو دیکھے بغیر تندرست نہیں ہوتے، وہ اپنے خالق عزوجل کی محبت کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے اور اُس کے ذکر کے سوا کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتے۔" (بھجۃ الاسرار، ص ۹۲۲)

ہر حال میں اللہ عزوجل کا شکر ادا کرو:

حضور سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"پروردگار عزوجل سے اپنے سابقہ گناہوں کی بخشش اور موجودہ اور آئندہ گناہوں سے بچنے کے سوا اور کچھ نہ مانگ، حسن عبادت، احکام الٰہی عزوجل پر عمل کر، نافرمانی سے بچنے قضاء وقدر کی سختیوں پر رضامندی، آزمائش میں صبر، نعمت و بخشش کی عطا پر شکر کر، خاتمہ بالخیر اور انبیا علیہم السلام صدیقین، شہدا و صالحین جیسے رفیقوں کی رفاقت کی توفیق طلب کر، اور اللہ تعالیٰ سے دنیا طلب نہ کر، اور آزمائش و تنگ دستی کے بجائے تونگر و دولت مندی نہ مانگ، بلکہ تقدیر اور تدبیر الٰہی عزوجل پر رضامندی کی دولت کا سوال کر۔ اور جس حال میں اللہ تعالیٰ نے تجھے رکھا ہے اس پر ہمیشہ کی حفاظت کی دعا کر، کیونکہ تو نہیں جانتا کہ ان میں تیری بھلائی کس چیز میں ہے، محتاجی و فقر فاقہ میں ہے یا دولت مندی اور تونگری میں آزمائش میں یا عافیت میں ہے، اللہ تعالیٰ نے تجھ سے اشیا کا علم چھپا کر رکھا ہے۔ ان اشیا کی بھلائیوں اور برائیوں کے جاننے میں وہ یکتا ہے۔

امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ میں کس حال میں صبح کروں گا آیا اس حال پر جس کو میری طبیعت ناپسند کرتی ہے، یا اس حال پر کہ جس کو میری طبیعت پسند کرتی ہے، کیوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میری بھلائی اور بہتری کس میں ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی تدبیر پر رضامندی اس کی پسندیدگی اور اختیار اور اس کی قضاء پر اطمینان و سکون ہونے کے سبب فرمائی۔

(فتوح الغیب مع قلائد الجوھر، ص ۷۱۱)

طریقت کے راستے پر چلنے کا نسخہ:

حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طریقت

کے راستے پر چلنے کا بہترین نسخہ بتایا ہے جو آج کل کے نام نہاد صوفی اور اپنے آپ کو طریقت کے راستے پر چلنے والا کہنے والوں کے لیے درس عبرت ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں: ”اگر انسان اپنی طبعی عادات کو چھوڑ کر شریعتِ مطہرہ کی طرف رجوع کرے تو حقیقت میں یہی اطاعت الٰہی عزوجل ہے، اس سے طریقت کا راستہ آسان ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

(پ۸۲،الحشر:۷)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کی اتباع ہی اللہ عزوجل کی اطاعت ہے، دل میں اللہ عزوجل کی وحدانیت کے سوا کچھ نہیں رہنا چاہیے، اس طرح تُو فنا فی اللہ عزوجل کے مقام پر فائز ہو جائے گا اور تیرے مراتب سے تمام حصے تجھے عطا کیے جائیں گے اللہ عزوجل تیری حفاظت فرمائے گا، موا فقتِ خداوندی حاصل ہوگی۔

اللہ عزوجل تجھے گناہوں سے محفوظ فرمائے گا اور تجھے اپنے فضل عظیم سے استقامت عطا فرمائے گا، تجھے دین کے تقاضوں کو کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے ان اعمال کو شریعت کی پیروی کرتے ہوئے بجالانا چاہیے، بندے کو ہر حال میں اپنے رب عزوجل کی رضا پر راضی رہنا چاہیے، اللہ عزوجل کی نعمتوں سے شریعت کی حدود ہی میں رہ کر لطف و فائدہ اٹھانا چاہیے۔ (فتوح الغیب، مترجم، ص۲۷)

اللہ تعالیٰ کے ولی کا مقام: شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی کا ارشاد مبارک ہے:

”جب بندہ مخلوق، خواہشات، نفس، ارادہ، اور دنیا و آخرت کی آرزوؤں سے فنا ہو جاتا ہے تو اللہ عزوجل کے سوا اس کا کوئی مقصود نہیں ہوتا اور یہ تمام چیزیں اس کے دل سے نکل جاتی ہیں تو وہ اللہ عزوجل تک پہنچ جاتا ہے، اللہ عزوجل اسے محبوب و مقبول بنالیتا ہے اس سے محبت کرتا ہے اور مخلوق کے دل میں اس کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ پھر بندہ ایسے مقام پر فائز ہو جاتا ہے کہ وہ صرف اللہ عزوجل اور اس کے قرب کو محبوب رکھتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اس پر سایہ فگن ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اللہ عزوجل نعمتیں عطا فرماتا ہے اور اللہ عزوجل اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اور اس سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ رحمت الٰہی عزوجل کے یہ دروازے کبھی اس پر بند نہیں ہوں گے اس وقت وہ اللہ عزوجل کا ہو کر رہ جاتا ہے، اس کے ارادہ سے ارادہ کرتا ہے اور اس کے تدبر سے تدبیر کرتا ہے، اس کی چاہت سے چاہتا ہے، اس کی رضا سے راضی ہوتا ہے، اور صرف اللہ عزوجل کے حکم کی پابندی کرتا ہے۔

(فتوح الغیب مع قلائد الجواہر، ص۱۰۰)

مومن کی کیفیت: حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی مومن کی حالت اور اس کی عادات و خصلت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

”محبت الٰہی عزوجل کا تقاضا ہے کہ تو اپنی نگاہوں کو اللہ عزوجل کی رحمت کی طرف لگادے اور کسی کی طرف نگاہ نہ ہو یوں کہ اندھوں کی مانند ہو جائے، جب تک تو غیر کی طرف دیکھتا رہے گا اللہ عزوجل کا فضل نہیں دیکھ پائے گا پس تو اپنے نفس کو مٹا کر اللہ عزوجل ہی کی طرف متوجہ ہو جا، اس طرح تیرے دل کی آنکھ فضلِ عظیم کی جانب کھل جائے گی اور تو اِس کی روشنی اپنے سر کی آنکھوں سے محسوس کرے گا اور پھر تیرے اندر کا نور باہر کو بھی منور کر دے گا، عطائے الٰہی عزوجل سے تو راحت و سکون پائے گا اور اگر تُو نے نفس پر ظلم کیا اور مخلوق کی طرف نگاہ کی تو پھر اللہ عزوجل کی طرف سے تیری نگاہ بند ہو جائے گی اور تجھ سے فضلِ خداوندی رُک جائے گا۔“

تو دنیا کی ہر چیز سے آنکھیں بند کر لے اور کسی چیز کی طرف نہ دیکھ جب تک تُو چیز کی طرف متوجہ رہے گا تو اللہ عزوجل کا فضل اور قرب کی راہ تجھ پر نہیں کھلے گی، توحید، قضائے نفس، محویت ذات کے ذریعے دوسرے راستے بند کر دے تو تیرے دل میں اللہ تعالیٰ کے فضل کا عظیم دروازہ کھل جائے گا تو اسے ظاہری آنکھوں سے دل، ایمان اور یقین کے نور سے مشاہدہ کرے گا۔

مزید فرماتے ہیں:

تیرا نفس اور اعضا غیر اللہ کی عطا اور وعدہ سے آرام و سکون نہیں پاتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سے آرام و سکون پاتے ہیں۔

(فتوح الغیب مع قلائد الجواہر، ص۱۰۳)

اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں ان ملفوظات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور فیضان غوث پاک سے فیضیاب فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصلاحی کارنامے

محمد طفیل احمد مصباحی، سب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور tufailmisbahi@gmail.com

جن اکابر صوفیہ و مشائخ کی بدولت ظلمت کدۂ عالم نور ایمان سے منور و درخشاں ہوا، ان میں غوث صمدانی، قطب ربانی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سر فہرست ہے۔ آپ کی پوری زندگی عبادت و ریاضت، درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور ارشاد و موعظت میں گزری۔ آپ کے ارشادات و فرامین اتباعِ شریعت اور اجتنابِ معصیت کے جلووں سے آراستہ ہیں۔

شیخ تقی الدین ابن تیمیہ جیسے متشدد عالم نے آپ کے اصلاحی کارناموں کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے:

فالشیخ عبد القادر الجیلانی کلامه کله یعود علیٰ اتباع المأمور وترك المحظور والصبر علی المقدور.

(الفتاویٰ لابن تیمیہ، ۵۰۷/۱۰، بیروت)

سرکار غوث بغداد نے ساری عمر دین متین کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور احیاے دین و سنت کے لیے بیش بہا کارنامے انجام دیے، جن کی بدولت آپ کا لقب "محی الدین" پڑ گیا۔ وعظ و تقریر کے علاوہ تحریر و تصنیف سے بھی اصلاحِ امت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کی بیش بہا تصنیفات اور گراں قدر کتب و رسائل آج بھی پوری دنیا کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

دکتور عبد الرزاق جیلانی کی تحقیق کے مطابق آپ کی تصانیف کی تعداد اکیس ہے۔ آج یہی کتب و رسائل آپ کی ہدایات و تعلیمات سے لوگوں کو فیض یاب اور مالا مال کر رہے ہیں۔ تعلیماتِ شاہ جیلاں کی عصری اہمیت و معنویت مسلم ہے۔ اخلاقی تنزلی، سماجی انحطاط اور موجودہ بے راہ روی کے اس ہوش ربا دور میں تعلیمات شاہِ جیلاں کو پوری دنیا میں عام و تام کرنے کی سخت ضرورت ہے، تاکہ برائیوں کا سیلاب تھم سکے اور دنیا خیر و سعادت کا گہوارہ بن سکے۔

حضرت غوث اعظم جیلانی قدس سرہ النورانی کا عہد سیاسی اور مذہبی لحاظ سے نہایت پر آشوب تھا۔ اسلام کی مرکزی طاقت کمزور پڑ چکی تھی، ہر طرف فسق و فجور کا دور دورہ تھا۔ شقاوت و بدبختی پورے شباب پر تھی۔ آپ نے پورے عہد و سماج کا تعمق نظر سے جائزہ لیا اور اصلاحِ امت کا مقدس فریضہ انجام دینے کے لیے میدانِ عمل میں قدم رکھا اور ۵۲۱ھ میں پہلا خطبہ دیا جس نے پورے بغداد میں تہلکہ مچا دیا۔ لوگ آپ کی مجلسِ وعظ میں ٹوٹ پڑے۔ عوام کا اس قدر ہجوم ہونے لگا کہ بغداد کے باب الشامہ کی جامع مسجد حاضرین کے لیے تنگ پڑ گئی۔ یہ دیکھ کر آپ نے عید گاہ بغداد کے وسیع و عریض میدان کو وعظ و تبلیغ کے لیے منتخب فرمایا اور پوری دل جمعی کے ساتھ بندگان خدا کی اصلاح فرمانے لگے۔ آپ کا جہادِ فکر و قلم بڑا متنوع، وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ آپ کی تبلیغی مساعی سے مختلف انسانی طبقات مستفید ہوئے۔ عوام کے علاوہ خواص کو بھی دعوت و تبلیغ سے نوازا اور اس وقت کے ظالموں، عالموں، صوفیوں اور حکمرانوں کو اپنی زبان و تحریر کے ذریعہ راہ راست اور صراطِ مستقیم پر گام زن کرنے کے لیے اپنی جسمانی توانائیاں اور تبلیغی مساعی صرف فرمائیں۔ اصلاحِ امت کے حوالے سے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایات و تعلیمات کے چند نمونے ہدیۂ قارئین ہیں۔

(۱) ہر مومن کے لیے تمام احوال میں تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

(الف) اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لائے اور اس کی اتباع کرے۔

(ب) شریعت کے ممنوعہ افعال سے مکمل احتراز و پرہیز کرے۔

(ج) تقدیر الٰہی پر راضی رہے۔

مومن کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ ان تین چیزوں میں سے کسی ایک سے کبھی بھی تہی دامن نہ رہے۔ ایک مومن کی یہی شان ہونی چاہیے کہ وہ ان تینوں امور کو واجب قرار دے کر ہمیشہ ان کا قصد کرتا رہے اور انھیں اپنے نفس کے سامنے بیان کرتا رہے اور اپنے اعضا و جوارح کو ہر وقت احکامِ الٰہی کی تعمیل و تکمیل میں مصروف و مشغول رکھے۔ (فتوح الغیب، مقالہ اولیٰ، ص:۲۸، ۲۹، مطبوعہ لاہور)

(۲) سنت کی پیروی کرو اور بدعات سے احتراز کرو۔ اللہ عز و جل اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت میں مشغول رہو اور ان کے احکام سے روگردانی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یکتا جانو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ہر ناپسندیدہ فعل اور نقص سے اسے پاک جانو اور بارگاہِ الوہیت و صمدیت سے متعلق نامناسب باتیں کر کے اس پر بہتان طرازی نہ کرو۔ دین اسلام کی حقانیت پر رہو اور راہِ فرار اختیار

نہ کرو۔ خدا سے سوال کرنے کو برا نہ سمجھو اور پریشان نہ ہو۔

(ایضاً، مقالہ ثانیہ، ص:۳۰،ل مطبوعہ لاہور)

اوامرِ الٰہی کی بجا آوری اور ممنوعاتِ شرعیہ سے اجتناب و پرہیز "ایمانِ کامل" کی علامت ہے اور شریعت کی زبان میں اسی کا نام "تقویٰ" ہے۔

سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امت مسلمہ کو تقویٰ کا درس دے کر ایک صاف و شفاف اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لیے راہ ہموار کی ہے۔ اخلاقی انحطاط اور عصری بے راہ روی کے شکار افراد کے لیے مندرجہ بالا "ہدایتِ غوثیہ" قندیل رہبانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی روشنی میں عصری برائیوں کا سدِّباب بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ بس عمل شرط ہے۔

سرکار غوثِ بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے عمل عالموں اور صوفیوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ حرص و ہوس سے اپنے دامن کو بچائیں اور زہد فروشی کا بازار گرم نہ کریں۔ کبر و ریا اور نخوت و غرور سے اپنے دلوں کو پاک کریں۔ آپ اپنی تقریر میں بارہا یہ الفاظ دہراتے کہ:

(۳) اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرو اور بدعت نہ نکالو۔ اطاعت کرو، نافرمانی نہ کرو۔ صبر کرو، ناشکری مت کرو۔ خدا کے ذکر پر بھروسا رکھو۔ آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، گناہوں سے توبہ کر کے پاک بنو اور اپنے مولیٰ کے دروازے کو مت چھوڑو۔

نفسانیت اور شہوانیت یعنی نفس پرستی تمام برائیوں کی جڑ ہے اور نفس کشی جملہ معاصی و جرائم کے سدِّباب کا ذریعہ۔ عصری برائیوں کے اس افسوس ناک دور میں نفس پرستی کے ممکنہ ذرائع پر قدغن لگانا بہت ضروری ہے، تاکہ دنیا میں نیکیوں کی اشاعت اور برائیوں کا خاتمہ ہو سکے۔ سرکار غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

(۴) موتِ اختیاری کے ذریعہ اپنی نفس کشی کرو، یہاں تک کہ حیاتِ معنوی سے زندہ کر دیے جاؤ۔ (فتوح الغیب، ص:۷۴۸، م:لاہور)

ایمان و عمل اور اخلاص تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہیں۔ ان کے بغیر دعوائے مسلمانی بیکار ہے۔ اس سلسلے میں سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) أساس الأمر الإسلام ثم الإيمان ثم العمل بكتاب الله عز وجل وشريعة رسوله ﷺ ثم الاخلاص فى العمل. (فتح الربانی، مجلس ۲۲، ص:۱۰۵)

یعنی سب سے اہم اور بنیادی چیز اسلام و ایمان ہے۔ اس کے بعد قرآن مقدس اور شریعتِ محمدی ﷺ کے احکام کی تعمیل و تکمیل، بعد ازاں اخلاص فی العمل۔

اسلام میں رزقِ حلال کی بڑی اہمیت ہے۔ صدق مقال کے ساتھ اکل حلال ایک بندۂ مومن کے لیے ضروری ہے۔ کذب مقال اور رزق حرام کا عادی شخص کبھی اخروی سعادت سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔ دیگر برائیوں کی طرح ناجائز ذرائع آمدنی اور حرام رزق کے حصول نے لوگوں کے دلوں کو اندھا کر دیا اور ضمیر کو مردہ بنا دیا ہے۔

یہ رزقِ حرام ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہماری دعائیں مقبول نہیں ہوتیں اور ہماری آہ و فریاد بابِ اجابت سے نہیں ٹکراتی۔ رزقِ حرام اور اکلِ حرام کے باعث ہمارے جسمانی اعضا سے حرام و معصیت کا صدور ہوتا ہے۔ الامان والحفیظ۔ آخر ایسا کیوں؟ وجہ ظاہر ہے کہ: الاناء يترشح مافيه۔ (برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو برتن میں ہوتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رزق حلال کھانے کی توفیق دے اور حرام اشیا سے بچائے۔ سرکار غوثِ اعظم جیلانی فرماتے ہیں:

(۵) تمھارے لیے ضروری ہے کہ رزقِ حلال کھاؤ اور اپنے اعضا کو فضول کاموں سے بچائے رکھو۔ (فتوح الغیب، ص:۷۵۱، ۷۵۲، م:لاہور)

اکثر برائیوں اور شہوت رانیوں کی بنیادی وجہ حفاظتِ نظر کا فقدان ہے۔ غیر محرم عورتوں کو قصداً دیکھنے کو "آنکھ کا زنا" بتایا گیا ہے۔ حفاظتِ قلب و نظر نہایت ضروری ہے۔ آج ساری برائیاں صرف اور صرف حفاظتِ قلب و نظر کے فقدان کے سبب وجود میں آ رہی ہیں۔

(۶) قطبِ ربانی غوثِ جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اپنے آپ کو ہر طرف سے اندھا بنا لو اور دنیاوی آسائشوں میں سے کسی چیز کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو، جب تک تو کسی ایک چیز کی طرف دیکھتا رہے گا، تیرے لیے اللہ عزوجل کے فضل و قرب کی طرف کوئی راہ نہ کھلے گی، لہٰذا تو نفس کو مٹانے، پھر اپنی فنا کو مٹانے اور اپنے علم کو مٹا دینے کے ذریعہ تمام جہت کو بند کر دے، پھر تیرے دل کی آنکھ میں اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم کا راستہ کھول دیا جائے گا۔ جسے تو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھے گا۔ (فتوح الغیب، ص:۴۲۲، لاہور)

غرض کہ تعلیماتِ شاہِ جیلانی کی اہمیت و معنویت کل کی طرح آج بھی مسلم ہے اور قیامت تک رہے گی۔ آپ کے ارشادات و فرامین کے ذریعہ آج بھی مادیت زدہ معاشرے کو روحانیت کی لازوال قوتوں سے آراستہ اور ایمان و عرفان کے اجالوں سے منور کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تعلیماتِ شاہِ جیلانی پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ ♣♣



"تفہیم و تجزیہ" ایک تجزیاتی مطالعہ

ثناء اللہ اطہر مصباحی

علم و ادب اور فکر و بصیرت کی دنیا میں حضرت ڈاکٹر پروفیسر فاروق احمد صدیقی کی بلند قامت شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ زیرِ نظر کتاب پروفیسر موصوف کے تنقیدی مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے۔ اس سے پہلے ۲۰۰۵ء میں ان کے تنقیدی مضامین کا پہلا مجموعہ "افہام و تفہیم" شائع ہو کر اربابِ فکر و دانش سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے۔ تفہیم و تجزیہ میں کل ۲۸ر مضامین ہیں جن میں سات مختلف کتابوں پر تبصرے بھی ہیں۔ ان مضامین میں سے بیش تر ملک و بیرون ملک کے مختلف جرائد و رسائل کی زینت بن چکے ہیں۔ کتابی صورت میں ان مضامین کی اشاعت کے جواز کا سبب بیان کرتے ہوئے پروفیسر موصوف رقم طراز ہیں:

> "مجموعہ کی صورت میں ان کی پیش کش سے غرض صرف اتنی ہے کہ اس ناچیز کی وہ کاوشیں جو اپنے ذوقِ نظر اور دل چسپی کی جولان گاہ میں حاصلِ مطالعہ کے طور پر قلم و قرطاس سے اپنا رشتہ استوار کر چکی ہیں، ایک بار پھر کتابی صورت میں اربابِ علم و صاحبانِ بصیرت کی حوصلہ افزائی سے مایہ دار ہو سکے۔ بکھرے ہوئے مطبوعہ و متفرق مضامین کی یہ یکجائی میرے نزدیک لکھنے والے کے تعارف کی جہتیں از سرِ نو متعین کرنے میں معاون ہوتی ہے۔"

اس کتاب پر مقدمہ مصنف موصوف کے استاذ محترم ڈاکٹر پروفیسر نجم الہدیٰ نے ضبط تحریر فرمایا ہے۔ مصنف موصوف کے علم و مطالعہ، عمدہ مشاقی اور کتاب کی قدر و قیمت کی تعین کرتے ہوئے ان کے استاذ مکرم کے رشحاتِ قلم سے جو جوامِ اعتراف چھلک پڑا ہے وہ قارئین کی تسکینِ ذوق کے لیے حاضر ہے:

> "یہ مجموعہ پروفیسر موصوف کے علم و مطالعہ میں اور تحریر و تسوید میں مشاقی کی بنا پر زیادہ دامن کش دل ہے، ضخامت اور قدر و قیمت دونوں کے اعتبار سے پہلے مجموعہ کے بالمقابل سلسلہ ارتقا کی دوسری کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔"

اس مجموعہ کے پہلے مضمون کا عنوان ہے "ایں رہ نعت است نہ صحرا است" جو ۱۸ر صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ شائستہ لب و لہجہ، دل کش اسلوب بیان، عمدہ طرز تحریر اور بر وقت دلائل و براہین کی پیش کش نے مضمون کی مقبولیت میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ علمی و ادبی حوالہ جات کے علاوہ قرآن و احادیث اور اکابرین اسلام کی تحریروں سے دلائل پڑھ کر اس حقیقت کا معترف ہو جانا پڑتا ہے کہ مصنف موصوف نے اس مضمون کی تکمیل میں بڑی عرق ریزی کی ہے ساتھ ہی قرآن و احادیث کا کثرت مطالعہ اور سلف و صالحین کی کتابوں سے ان کی گہری وابستگی کا ثبوت بھی فراہم ہو جاتا ہے۔ اس مقالے کا عنوان عرفی کے اس شعر سے مستعار ہے:

> عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
> آہستہ کی رہ بر دمِ تیغ است قدم را

عنوان سے ظاہر ہے کہ نعت گوئی کی پر خار وادی سے گذر جانا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس مقالے میں پروفیسر موصوف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ شاعر کے دل میں جب تک عشقِ پیمبر کا چراغ فروزاں نہ ہو اور خداوند اکبر کی نصرت و مدد شاملِ حال نہ ہو وہ نعت گوئی کی ذمہ داری سے عہدہ بر آ ہو ہی نہیں سکتا۔ محترم پروفیسر فاروق احمد صدیقی کا ایک نہایت ہی خوب صورت وصف کمال جو ہمیں ان کے مضامین میں دیکھنے کو ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ علمی و ادبی دنیا کی کسی بھی عظیم شخصیت سے جب کسی مقام پر تسامح ہو جاتا ہے اور دوران گفتگو بات نکل پڑتی ہے تو بر وقت ان کی گرفت کرنے میں وہ کسی طرح کی مصلحت سے کام نہیں لیتے۔ علم و ادب کی دنیا میں مولانا الطاف حسین حالی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں لیکن انھوں

نے بھی نعت گوئی کی دنیا میں فکری ٹھوکر کھائی ہے، جو درج ذیل شعر سے مترشح ہے:

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ ہوں اس کا میں اور ایلچی بھی

یہاں نبی مکرم ﷺ کے لیے ایلچی کا لفظ استعمال کرنا یقیناً منصبِ نبوت کے منافی ہے جو کسی بھی اہلِ ایمان کا شیوہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جن کی بارگاہِ عظمت پناہ میں زور سے بولنا بھی حبطِ اعمال و ایمان کا باعث بن سکتا ہے ان کی ذاتِ اقدس کے لیے مذکورہ بالا لفظ کا اطلاق کیوں کر درست ہوگا؟ مولانا حالؔی کا مذکورہ بالا شعر پیش کرنے کے بعد پروفیسر موصوف نے اپنا نظریہ پیش کیا ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، ملاحظہ ہو:

"جس لفظ کا انتساب ہم خود اپنی ذات کے لیے اور اپنے آبا و اجداد کے لیے روا نہیں رکھ سکتے، رسولِ معظم ﷺ کے لیے اس کا اطلاق کیسے جائز ہوگا؟ ہر صاحبِ ایمان خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے، پھر یہ کہ عقائد و ایمانیات کے باب میں نظریۂ جمہوریت بھی کام نہیں آسکتا۔ کسی شاعر نے ایک لاکھ اشعار نعت کے کہے ہوں ، ان میں سے ننانوے ہزار نو سو ننانوے بالکل بے غبار ہوں، صرف ایک شعر میں شاعر نے لفظی اور معنوی سطح پر ٹھوکر کھائی ہو تو سب پر پانی پھر جائے گا۔"

اردو ادب کی دنیا میں پروفیسر کلیم الدین احمد کا شمار بزرگانِ ادب میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی تصنیف "اقبال ایک مطالعہ" میں علامہ اقبال کے درج ذیل شعر:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

کو Questionable بلکہ کفر تک کہا ہے۔ کلیم الدین احمد اس بات پر مصر ہیں کہ نگاہِ عشق و مستی یا نگاہِ باخبر میں پیغمبرِ اعظم کو وہی اول، وہی آخر، وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں، اول و آخر تو صرف خدا کی ذات ہے، اس لیے اس کا اطلاق پیغمبرِ اسلام کے لیے کیوں کر جائز ہوگا؟

کلیم الدین احمد کی طرف سے علامہ اقبال پر کیے گئے اعتراض کا بڑے ہی شرح و بسط کے ساتھ دلائل و براہین کی روشنی میں نہایت ہی شان دار اور بلیغ جواب آگے چل کر پروفیسر موصوف نے دیا ہے۔ آج پروفیسر کلیم الدین احمد ہوتے تو شاید ان دلائل کا مطالعہ کرکے اپنے موقف پر غور و فکر کرتے، تاہم ان کی طرح نظریہ رکھنے والوں کے لیے یہ مضمون چشم کشا ضرور ہے، طوالت کا خوف پیشِ نظر ہے اس لیے دلائل نقل کرنے سے گریز کرتا ہوں، لیکن اس مقام پر پروفیسر موصوف کی ناقدانہ رائے پیش کر دینا دل چسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ ملاحظہ ہو:

"کلیم صاحب کی قابلیت مسلم، وہ اردو اور انگریزی جتنی بھی جانتے ہوں، لیکن و احادیث کے تعلق سے ان کی معلومات محض سطحی اور سرسری ہی کہی جائے گی۔ اگر انھوں نے قرآن پاک کا مطالعہ جمہور اہلِ اسلام کی تفسیروں کے حوالے سے کیا ہوتا تو ایسا کمزور اور لچر اعتراض نہ کرتے۔"

"معرکہ بالاکوٹ اور شارب ردولوی" کے عنوان سے ایک مقالہ ص:۱۱۳ سے شروع ہو کر ۱۲۱ر پر ختم ہوتا ہے۔ شارب ردولوی اردو ادب کی ایک عظیم شخصیت کا نام ہے۔ اپنی گوناگوں تصنیفی خدمات کی بنیاد پر علم و ادب کے آفاق پر وہ دور سے ہی پہچان لیے جاتے ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ میں پروفیسر موصوف نے شارد ردولوی کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف صمیم قلب سے کیا ہے۔ اس میں پروفیسر موصوف نے شارب ردولوی کی کتاب "جدید اردو تنقید، اصول و نظریات" کے دوسرے باب زیرِ عنوان "اردو تنقید کا سماجی، سیاسی و تاریخی پس منظر" کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کے بارے میں جو یہ افسانہ محض مشہور ہے کہ وہ انگریزوں کے خلاف لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تھے، مذکورہ بالا مضمون میں پروفیسر موصوف نے شارب ردولوی اور سرسید احمد خاں کی تحریروں کے حوالے سے اس افسانۂ محض کا پردہ فاش کرکے اس حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھانے کی کوشش کی ہے کہ سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید نہیں ہوئے بلکہ وہابی مسلک کی اشاعت اور صوبہ سرحد کے صحیح العقیدہ مسلمانوں کے متعلق مشرک و بدعتی کا فتویٰ دینے کی بنا پر قتل کر دیے گئے۔ زیرِ تذکرہ باب میں شارب ردولوی نے جہاں حقیقت نگاری سے کام لیا ہے، وہاں

بعض مقامات پر ان سے تسامح بھی ہو گیا ہے، جس کی نشان دہی پروفیسر موصوف نے اپنے مضمون میں بڑے دل کش و خوب صورت انداز میں کی ہے۔

شارب ردولوی کے نزدیک غیر مقلد اور وہابی مسلک کے لوگوں کی سخت گیری کے نتیجے میں جو جماعت پیدا ہوئی اس کے بانی احمد رضا خان تھے، آگے چل کر یہی لوگ بریلوی جماعت کہلائے۔ اس تعلق سے شارب ردولوی کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"غیر مقلد اور اہل حدیث یا وہابی مسلک کے لوگوں کی سخت گیری نے ان کے خلاف ایک جماعت پیدا کی جس کے بانی احمد رضا خان تھے، اور یہ جماعت بریلوی کے نام سے مشہور ہوئی۔"

پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب نے شارب ردولوی کے اس اقتباس پر حیرت ظاہر کی ہے کہ شارب صاحب سے اس مقام پر چوک کیوں کر ہو گئی۔ اور یہ حقیقت ان سے کیسے پوشیدہ رہ گئی کہ جب کبھی عقائدِ حقہ کے خلاف باطل عقائد و نظریات کے حاملین میدانِ عمل میں اترے ہیں تو ان کی سرکوبی کے لیے مردانِ حق آگاہ کو متحرک ہونا پڑا ہے۔ اہلِ حق کے جن عقائد و نظریات کو وہابیوں نے باطل گردانے کی کوشش کی تو ان کے خلاف صدائے احتجاج صرف امام احمد رضا ہی نے بلند نہیں کیا بلکہ ان سے پہلے علامہ فضل حق خیر آبادی، علامہ فضل رسول بدایونی، مولانا منور الدین (مولانا آزاد کے والد کے نانا) مولانا خیر الدین (مولانا آزاد کے والد)، مولانا مخصوص اللہ، مولانا محمد موسیٰ (صاحب زادگان شاہ رفیع الدین ابن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) اور مولانا عبد المقتدر بدایونی وغیرہ بھی صدائے حق بلند کر چکے تھے اور غیر مقلدوں کے خلاف باضابطہ تحریک و مہم چلا چکے تھے، اس لیے "غیر مقلد اور اہلِ حدیث یا وہابی مسلک کے لوگوں کی سخت گیری" کے خلاف جو جماعت وجود میں آئی اس کے بانی مذکورہ بالا علمائے کرام تھے نہ کہ امام احمد رضا۔ ہاں امام احمد رضا نے نظریاتِ حقہ کی وکالت اور قدیم حنفی خیالات کی تجدید ضرور کی اور اہلِ نظر جانتے ہیں کہ مجدد اور موجد میں بہت نمایاں فرق ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر موصوف کا فکر و فلسفہ سے مزین استدلال پیش کر دیا جائے تاکہ حقائق کی معرفت کی تحصیل نمایاں طور پر ہو سکے۔ ملاحظہ ہو:

"ٹھیک جس طرح جھوٹے مدعیانِ نبوت کی سرکوبی کے لیے خلیفۂ اول کو جہاد بالسیف کرنا پڑا، بعینہ اس طرح اسلامی عقیدے کی بگڑتی ہوئی صورت حال کو روکنے کے لیے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو جہاد بالقلم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ یہ عقائد اسلامی کو ایک بار پھر اسلاف کے عقیدے کے مطابق کرنے کی کوشش تھی۔ اور اس کوشش میں متحدہ ہندوستان کے سنی حنفی مسلک کی کثیر جماعت نے ان کا ساتھ دیا۔ لہٰذا مولانا احمد رضا خاں بریلوی کسی جماعت کے بانی نہیں تھے، وہ سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے عقائد و مسلک کے زبردست حامی و علم بردار تھے۔ ہاں یہ درست ہے کہ انھوں نے قدیم حنفی خیالات کی تجدید کی مگر مجدد کو موجد تو نہیں کہا جا سکتا، یہ بات شارب ردولوی صاحب مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔"

کتاب "میرا مطالعۂ قرآن" از پروفیسر عبد الوہاب اشرفی۔ "تفہیم و تجزیہ" کا دسواں مضمون ہے۔ پروفیسر عبد الوہاب اشرفی اردو ادب کی کثیر الجہات اور قد آور شخصیت کا نام ہے۔ اس مضمون میں پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے اشرفی صاحب کی مذکورہ کتاب کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس مقالے میں پروفیسر موصوف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ "میرا مطالعۂ قرآن" میں اشرفی صاحب نے جن سورتوں کا ترجمہ اور تفسیریں پیش کی ہیں وہ تقریباً جمہور علمائے اسلام اور مفسرینِ کرام کے مسلک و موقف کے مطابق ہیں اور یہ بڑی سعادت و ارجمندی کی بات ہے، جب کہ ماضی میں سر سید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا ابو الکلام آزاد اور پاکستان کے مولانا غلام جیلانی برق نے بہت سارے مقامات پر سوادِ اعظم کے افکار و نظریات کے خلاف موقف اختیار کر کے اپنی نابالغ دانش وری کا مظاہرہ کیا ہے جس کے نتیجے میں سخت ٹھوکریں کھانا ان کا مقدر بن گیا ہے۔ مقامِ شکر ہے کہ اشرفی صاحب نے اپنی روشن خیالی اور تفرد پسندی سے اجتناب برتا ہے جو یقیناً ان کی سالمیت اور سعادت مندی کی روشن دلیل ہے۔ لیکن "میرا مطالعۂ قرآن" میں آیتِ کریمہ "اهدِنَا الصِّرَاط المستقیم" کا ترجمہ اشرفی صاحب نے یہ کیا ہے:

"ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا۔ اس ترجمہ پر پروفیسر موصوف کا یہ خوب صورت ریمارک ملاحظہ ہو:

"یہ ترجمہ دیگر مترجمین نے بھی کیا ہے، لیکن یہ ترجمہ وہی کرے گا جسے ابھی تک سیدھا راستہ معلوم نہ ہو سکا۔ ترجمہ ہونا چاہیے کہ ہمیں سیدھا راستہ چلا۔ یعنی سیدھا راستہ جو مل چکا ہے اس پر چلتا رہوں۔ سرِمو انحراف نہیں ہو۔ شاہ عبد القادر ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، سر سید احمد خاں اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں نے بھی "دکھا" یا "بتلا" کے بجائے "چلا" ہی ترجمہ کیا ہے۔"

"میرا مطالعۂ قرآن" میں آیتِ کریمہ "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى" (سورۃ الضحیٰ) کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے "اور راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھایا" پروفیسر موصوف نے اس مقام پر امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ خوب صورت ترجمہ نقل کر دیا ہے۔

"اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

اس کے بعد انھوں نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ زیرِ بحث آیت میں جو لفظ ضال آیا ہے اسی سے اکثر مترجمین کو دھوکا ہوا ہے۔ پروفیسر موصوف نے اس مقام پر لفظ "ضال" کی دلکش و روح پرور تشریح مولانا ماہر القادری کی کتاب "درِ یتیم" کے اس اقتباس سے کی ہے:

"مکہ سے تھوڑی دور پر حرام نام کا ایک غار تھا۔ آپ ستّو اور پانی لے کر وہاں چلے جاتے اور کئی کئی دن تک ریاضت اور عبادت اور غور و فکر میں ڈوبے رہتے۔ نفس کا یہ مجاہدہ اور استغراق کی یہ کیفیت کسی "غیبی نمود" کی منتظر تھی۔ دل و نگاہ کو نہایت بے چینی کے ساتھ کسی پیغام کا انتظار تھا۔ طبیعت بہت بے قرار رہتی تھی۔ اسی تلاش و حیرانی اور بے قراری کو قرآن نے ضال سے تعبیر کیا ہے۔"

اب پروفیسر موصوف کی یہ ناقدانہ رائے ملاحظہ ہو:

"راقم کے نزدیک لفظ ضال سے متعلق مولانا ماہر القادری سابق مدیر "ماہ نامہ فاران" کراچی کی درج بالا وضاحت بہت ہی ایمان افروز اور چشم کشا ہے۔ بات منصب رسالت سے متعلق ہے۔ اس لیے خواہ مخواہ بحث برائے بحث نہیں کر کے مندرجہ بالا ترجمہ کو شرح صدر کے ساتھ قبول کر لیا جائے تو ایمان کی اس میں زیادہ حفاظت ہے۔"

مذکورہ بالا اقتباسات کی روشنی میں جہاں پروفیسر موصوف کی روشن فکر و بصیرت، قوت استدلال، زور بیان، تبحرِ علمی اور وسعتِ مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں یہ امر بھی منکشف ہو جاتا ہے کہ مبدءِ فیاض نے ان کی فطرت میں صالح نقد و نظر کی غیر معمولی صلاحیت ودیعت کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ اپنی بات پیش کرتے ہیں تو اس میں حکم و امر کا شائبہ تک نہیں ہوتا بلکہ ایک مخلصانہ رائے ہوتی ہے جو کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور ساتھ ہی اس سے خوش عقیدگی کی جو بھینی بھینی خوشبو پھوٹی پڑتی ہے اس سے مشامِ جان و ایماں معطر ہونے لگتا ہے۔ ایسی سعادت ہر ایک دانش ور کے حصے میں نہیں آتی، اسے پروفیسر موصوف کی فیروز بختی اور خوش طالعی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

"حضرت مجدد الف ثانی اور شاعر مشرق علامہ اقبال" کے عنوان سے ۱۰ر صفحات پر پھیلا ہوا یہ مقالہ بڑا قیمتی اور مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صاحب نے پہلے علامہ اقبال کے خاندانی پس منظر پر روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ علامہ اقبال کا تعلق ایک ایسے خانوادے سے تھا جس کے بزرگوں کا مذاق عارفانہ تھا۔ ان کے والد نور محمد صاحب ایک بلند پایہ صوفی تھے اور اپنے اعزہ و اقربا کو مرید بھی کرتے تھے۔ چناں چہ علامہ اقبال بھی سلسلہ قادریہ میں اپنے والد گرامی کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ علامہ اقبال کو اہل اللہ سے غیر معمولی عقیدت و محبت تھی اور وہ تمام سلاسل کے بزرگوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ ۱۹۰۵ء میں جب وہ اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے لیے سفر یورپ کے لیے پا بہ رکاب تھے تو انھوں نے محبوبِ اولیا حضرت خواجہ نظام الدین علیہ الرحمۃ کے آستانے پر حاضری دی تھی اور ایک خوبصورت اور روح پرور نظم کی شکل میں عقیدتوں کا خراج پیش کیا تھا، جو علامہ کے مجموعۂ کلام "بانگِ درا" میں التجاے مسافر کے عنوان سے موجود ہے۔ ابتدا کے دو اشعار یہ ہیں:

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیضِ عام ہے تیرا

ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظامِ دہر کی صورت نظام ہے تیرا

حضرت مجدد الف ثانی سے علامہ اقبال کو بڑی گہری الفت و وارفتگی تھی۔ پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے زیر نظر مضمون میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب ”اقبال سب کے لیے“ کے حوالے سے ایک بڑا ایمان افروز اور روح پرور واقعہ نقل کیا ہے جس کی تلخیص یہ ہے کہ علامہ اقبال ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی کے آستانے پر حاضر ہوئے اور دعا کی کہ اللہ انھیں بیٹا عطا کرے۔ علامہ اقبال نے حضرت مجدد سے یہ عہد کیا کہ اگر اللہ نے انھیں بیٹا عطا کیا تو اسے لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ جب ڈاکٹر جاوید اقبال کی ولادت ہوئی اور وہ چلنے کے قابل ہو گئے تو ایک دن علامہ اقبال انھیں لے کر سرہند شریف حضرت مجدد الف ثانی کے آستانے پر حاضر ہوئے مزارِ مبارک کے قریب بیٹھ کر علامہ اقبال قرآن مقدس کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کی آنکھیں موسمِ باراں کی طرح برس رہی تھیں۔ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد پروفیسر موصوف رقم طراز ہیں:

”آج جو لوگ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دینے اور ان سے توسل کو شرک قرار دیتے ہیں وہ اقبال کے بارے میں کیا فتویٰ صادر کریں گے؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ کے ولیوں سے توسل، استمداد اور استعانت کے بارے میں صدی اول سے آج تک سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کا جو عقیدہ رہا ہے، اقبال اس پر سختی سے قائم تھے اور اسی کو راہِ حق و صواب سمجھتے تھے۔“

آگے چل کر پروفیسر موصوف نے یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ علامہ اقبال حضرت مجدد الف ثانی کے روحانی کمالات کے ساتھ ان کی غیرتِ ایمانی، جوشِ جہاد، اولوالعزمی، حریتِ فکر، تصلب فی الدین اور حق گوئی و بے باکی سے زیادہ متاثر تھے۔ جہانگیری مظالم کے سامنے سینہ سپر ہو جانا اور اس کا سجدۂ تعظیمی نہ بجالانا یہ آپ ہی کا خاصہ تھا۔ قلعہ گوالیار کی صعوبتوں کو مسکرا کر جھیل لیا مگر پائے استقامت میں آپ نے ہلکی سی بھی جنبش نہیں آنے دی۔ پروفیسر موصوف نے اس مقام پر علامہ اقبال کے وہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو انھوں نے مجدد الف ثانی کی بارگاہِ ناز میں عقیدتوں کے نیاز لٹائے ہیں۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

بالجملہ اس مضمون کے مطالعہ سے علامہ اقبال کا حضرت مجدد الف ثانی سے والہانہ الفت و وارفتگی اور غیر معمولی عشق و محبت کا ثبوت ملتا ہے۔

علم و ادب کی دنیا میں حسنِ مواد کے ساتھ حسنِ بیان بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ بغیر اس کے مضامین و مقالے سپاٹ پن کا مظہر بن جاتے ہیں۔ انگریزی ادب کے معروف نقاد ٹی. ایس. ایلیٹ کے مطابق ادب کو پہلے ادب ہونا چاہیے، اس کے علاوہ ادب سے کوئی مفید کام لیا جا سکے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس تناظر میں جب ہم پروفیسر موصوف کی تحریروں پر نظر ڈالتے ہیں تو حسنِ فکر کے ساتھ حسنِ فن کی آمیزش ان کی نگارشات کی تزئین و تعمیر میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ پروفیسر موصوف دل کش نظم کی طرح خوب صورت، شائستہ اور رواں دواں نثر لکھنے پر غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں۔

خلاصۂ گفتگو یہ کہ پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب کی نگارشات میں عالمانہ وقار، دانش ورانہ استدلال، فاضلانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ عقیدے کی قطعیت، لہجے کی شائستگی، دل کشی و دل نشینی، شگفتگی و رعنائی اور سلاست و روانی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، مطالعہ کرتے چلے جائیے، طبیعت بوجھل نہیں ہوتی، مزاج میں اضمحلال پیدا نہیں ہوتا۔ مجموعہ ”تفہیم و تجزیہ“ کی بروقت اشاعت معیار و مقدار ہر دو لحاظ سے اردو ادب کے خزانے میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ صاحبانِ فکر و بصیرت اور اربابِ فضل و کمال کی بزم میں اس کا شان دار خیر مقدم کیا جائے گا۔ ☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب: اِنْصَافُ الْاِمَامِ اَحْمَدْ رَضَا
مصنف: شیخ محمد خالد ثابت مصری
ترجمہ: امامِ عشق و عرفاں
مترجم: مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی
صفحات ۲۷۲ قیمت: 150 روپے
ناشر: المجمع الاسلامی ملت نگر مبارک پور اعظم گڑھ
مبصر: محمد ساجد رضا مصباحی،
استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

”اِنْصَافُ الْاِمَامِ اَحْمَدْ رَضَا“ کے مصنف شیخ خالد ثابت مصری قاہرہ مصر کے ایک متبحر عالم و مصنف ہیں، انھیں صوفیہ سے گہری عقیدت و وابستگی ہے، وہ عہد طالب علمی ہی سے تصوف و روحانیت کی جانب مائل رہے، پیرِ کامل کی تلاش و جستجو اور مشائخِ سلاسل کے شوقِ ملاقات میں انھوں نے متعدّد بارگاہوں میں حاضری دی، سوے اتفاق کہ اسی درمیان ان کی ملاقات ”تبلیغی جماعت“ کے افراد سے ہو گئی، معرفت و روحانیت کی تلاش و جستجو میں دس سال تک ان کے ساتھ بھٹکتے رہے، تبلیغی جماعت کے ساتھ چار بار ہندوستان بھی تشریف لائے۔ ”تبلیغی جماعت“ سے وابستگی کے زمانے میں وہ بریلویت کو قادیانیت اور بہائیت کی طرح خارج از اسلام فرقہ سمجھتے تھے۔ بعد میں جب ان پر یہ انکشاف ہوا کہ تبلیغی جماعت اولیا و صالحین اور صوفیہ سے حسن ظن نہیں رکھتی اور نہ ہی قبور اولیا کی زیارت کو پسند کرتی ہے تو وہ اس جماعت سے بدِ دل ہو کر علاحدہ ہو گئے، ان کی مسلسل کوششوں سے انھیں امام احمد رضا بریلوی قدّس سرّہ اور ہندوستان کے اہل سنت کا صحیح تعارف حاصل ہوا، اسی دوران انھیں ہندوستان کے جلیل القدر عالم دین اور محقق خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی حفظہ اللہ تعالیٰ سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مایہ ناز کتاب ”حُدُوْثُ الْفِتَنْ وَجِهَادُ اَعْيَانِ السُّنَنْ“ دست یاب ہوئی جس میں فِرقِ باطلہ خصوصاً ہندوستان میں وہابیت کے آغاز اور اس کے عروج و ارتقا نیز ان کے خلاف علماے حق خاص طور سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی مجاہدانہ کوششوں کا بیان ہے۔ مذکورہ کتاب سے متاثر ہو کر انھوں نے اسے اپنے مطبع دار المقطم سے شائع کیا، اس اقدام پر ان کے بعض مصری احباب نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا کہ آپ نے ہندوستان کے ایک گمراہ فرقے کی کتاب چھاپ کر اچھا نہیں کیا۔ شیخ خالد ثابت مصری کو معلوم تھا کہ ان کے احباب کا یہ تاثر امام احمد رضا بریلوی اور ان کی جماعت کی حقیقتِ حال سے عدم واقفیت کی بنیاد پر ہے، لہٰذا انھوں نے امام احمد رضا بریلوی کے فضائل و مناقب اور فرقہ وہابیہ دیابنہ کے خلاف ان کے مجاہدانہ کارناموں سے عرب دنیا کو واقف کرانے اور جماعت بریلویہ کے تعلق سے ان کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لیے ”اِنْصَافُ الْاِمَامِ اَحْمَدْ رَضَا“ کے نام سے یہ کتاب تحریر فرمائی۔

”امامِ عشق و عرفاں“ اسی اہم کتاب کا اردو ترجمہ ہے، اس کے مترجم حضرت مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی، مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیر آباد ضلع مئو کے سینیر استاذ اور المجمع الاسلامی مبارک پور کے اہم رکن ہیں، عمدہ تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا ستھرا ذوق رکھتے ہیں، ترجمہ نگاری میں بھی انھیں مہارت حاصل ہے، اس سے قبل انھوں نے ”حُدُوْثُ الْفِتَنْ وَجِهَادُ اَعْيَانِ السُّنَنْ“ کا سلیس اور با محاورہ ترجمہ کیا ہے جو ”فتنوں کا ظہور اور اہلِ حق کا جہاد“ کے نام سے شائع ہو کر مقبولِ عام و خاص ہو چکا ہے۔

شیخ خالد ثابت مصری نے اپنی کتاب کے ابتدائی صفحات میں امام احمد رضا قادری بریلوی سے شناسائی اور ان کی عظمت و رفعت سے متاثر ہونے کے احوال بیان کیے ہیں، انھوں نے اس ضمن میں علامہ محمد احمد مصباحی کی تصنیف ”حُدُوْثُ الْفِتَنِ وَجِهَادُ اَعْيَانِ السُّنَنِ“ اور جامعہ ازہر شریف کے دراسات علیا کے طالب علم عبد النصیر ناتور مالاباری کو نعمت غیر مترقبہ اور فضل الٰہی قرار دیا ہے جن کے ذریعہ انھیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کا ابتدائی تعارف حاصل ہوا۔

امام احمد رضا قادری بریلوی نے اپنی کتاب ”اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِيْنَةِ لِعُلَمَاءِ بَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ“ میں اپنی مصروف زندگی اور مختلف علوم و فنون میں تصنیف و تالیف کے تین مقاصد بیان فرمائے ہیں۔ (۱) عظمت رسالت کا دفاع (۲) رد بد مذہباں (۳) مذہب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر فتویٰ۔ شیخ خالد ثابت مصری نے اپنی اس کتاب کو تین مقاصد میں تقسیم کر کے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کی حیات اور کارناموں کا جائزہ انھی تینوں مقاصد کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

مقصد اول (عظمت رسالت کا دفاع) کے تحت مصنف نے فتنہ وہابیت کے آغاز اور ہندوستان میں اس کی ترویج و اشاعت نیز انگریزوں کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی میں وہابی افکار و خیالات کی نشر و اشاعت اور اس

سلسلے میں مدرسہ دیوبند کے مشائخ کے منافقانہ کردار پر روشنی ڈالی ہے، انھوں نے اس باب میں مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ کی کفری عبارتوں کو پیش کر کے ان کے خلاف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے جہاد بالقلم کا ذکر عمدہ لب ولہجے اور دلائل کی روشنی میں کیا ہے، وہ کہتے ہیں دیابنہ ہند کی تکفیر میں امام احمد رضا قادری نے عجلت سے کام نہیں لیا، بلکہ انھوں نے فتواے کفر سے پہلے مولوی اشرف علی تھانوی کو باضابطہ خط لکھا اور ان کفری اقوال کی وضاحت طلب کی، لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو اس جماعت کی تردید میں کتابیں لکھیں ان کے کفر کا فتویٰ تحریر فرمایا اور علماے حرمین شریفین سے اس پر تصدیقات حاصل کیں جو "حُسَامُ الْحَرَمَیْنِ عَلٰی مَنْحَرِ الْکُفْرِ وَالْمَیْنِ" کے نام سے شائع ہوئیں۔ کتاب کے اس باب میں مصنف نے امام احمد رضا قادری کی نعت گوئی، عشق رسول اور عظمت رسالت کے حوالے سے آپ کی بعض تصانیف مثلا "اَلدَّوْلَۃُ الْمَکِّیَّۃِ بِالْمَادَّۃِ الْغَیْبِیَّۃِ" وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

شیخ محمد خالد ثابت مصری نے مقصد دوم (رد بدمذہباں) میں "حُدُوْثُ الْفِتَنِ وَجِهَادُ اَعْیَانِ السُّنَنِ" کے حوالے سے قادیانیت، شیعیت، دیوبندیت اور ندوۃ العلما کی تردید میں امام احمد رضا قادری کی جرأت وبے باکی اور ان کی گراں قدر تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ امام احمد رضا قادری نے خاص قادیانیوں کی تردید میں تقریبًا نصف درجن کتابیں تصنیف فرمائیں جب کہ شیعیت کے رد میں ناقابل تردید دلائل کے ساتھ ۲۰/ سے زائد رسائل تحریر کیے۔ جب ندوۃ العلما میں صلح کلیت کا عَلَم بلند ہوا اور مختلف عقائد وملل کو یک جا کر کے اسلام کا مذاق اڑانے کی کوشش کی گئی تو امام احمد رضا بریلوی نے جو تحریک ندوہ کی ابتدائی نشست میں شریک تھے، اس سے علاحدگی اختیار کر لی اور اس کے خلاف شدید رد عمل کا اظہار فرمایا، آپ نے ایک فتویٰ مرتّب فرمایا جس کا نام "فَتَاوَی الْحَرَمَیْنِ بِرَجْفِ نَدْوَۃِ الْمَیْنِ ۱۳۱۷ھ" رکھا، اس فتویٰ کی تصدیق علماے حرمین شریفین نے فرمائی اور اس پر تقریظ بھی لکھی۔ مصنف نے اس باب میں ترک موالات کی وضاحت اور تصوف کے نام پر جاہل صوفیہ کی خرافات کی تردید میں امام اہل سنت کی مساعی جمیلہ کا بھی ذکر کیا ہے، نیز دیوبندیوں کے متضاد افکار، تبلیغی جماعت کے منافقانہ رویے اور اپنے ساتھ پیش آنے والے بعض واقعات کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا ہے۔

برصغیر میں مغل شہنشاہ ہمایوں کے عہد میں شیعیت داخل ہوئی اور اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان کے ذریعہ وہابی افکار وخیالات کو فروغ ملا۔ وہابیت سے متاثر لوگ دو گروہ میں منقسم ہوئے، ایک گروہ فقہی مذاہب سے آزاد ہو گیا اور اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانے لگا، جب کہ دوسرا گروہ وہابی افکار ونظریات پر قائم رہتے ہوئے مذہب حنفی کا بھی نام لیوا رہا جو دیوبندی کے نام سے مشہور ہوا، اول الذکر گروہ نے ائمہ اربعہ کے خلاف زبان درازی کی حدیں پار کر دیں، ائمہ اربعہ کے مقلدین کو گمراہ کہنے کے ساتھ انھیں واجب القتل قرار دیا۔ امام احمد رضا قادری بریلوی نے غیر مقلدین کی زبان درازیوں کا مدلل جواب دیتے ہوئے متعدّد ایسی کتابیں تحریر فرمائیں جن سے اس گروہ کا دینِ حق سے انحراف اور خواہش نفس کی پیروی ظاہر ہوتی ہے اور ائمہ اربعہ کی مخالفت کا بھی پردہ فاش ہوتا ہے، ان میں "اَلْفَضْلُ الْمَوْهَبِیْ فِیْ مَعْنٰی اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ"، "حَاجِزُ الْبَحْرَیْنِ الْوَاقِیْ عَنْ جَمْعِ الصَّلَاتَیْنِ"، "اَطَائِبُ الصَّیِّبِ عَلٰی أَرْضِ الطَّیِّب" اور "أَجْلَی الْاِعْلَامِ اَنَّ الْفَتْوٰی مُطْلَقاً عَلٰی قَوْلِ الْاِمَامِ" خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مقصد سوم میں مصنف نے فرقہ اہل حدیث کی تردید وابطال میں امام احمد رضا بریلوی کے کارناموں کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ انھوں نے کتاب کے اس حصے میں امام احمد رضا قادری کی عظیم فقہی خدمات اور بے مثال تجدیدی کارناموں کو بھی موضوع سخن بنایا ہے اور امام اہل سنت کو "مفتی امت" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام احمد رضا قادری کی پوری زندگی فیض وعطا اور بخشش وافادہ سے معمور تھی، اگر وہ صرف فتویٰ لکھتے تو یہی ان کے لیے کافی ہوتا، اگر وہ بدمذہبوں کے ردوابطال کے ذریعہ جہاد کرتے تو یہی ان کے لیے کافی ہوتا، اگر وہ عظمتِ رسول پر دست درازی کرنے والوں کے خلاف نبرد آزما رہتے تو یہی ان کی کامیابی کے لیے کافی ہوتا، اگر وہ صرف نعتیہ قصائد کے ذریعہ امت کے دلوں میں عشقِ رسول کی شمع فروزاں کرتے تو یہی ان کے لیے کافی ہوتا اور اپنے رب کی بارگاہ میں سعید قرار پاتے لیکن اللہ جل شانہ نے ان کے اندر یہ ساری خوبیاں جمع فرما دی تھیں، انھوں نے امت مسلمہ کے عقائد وایمان کے تحفظ کی ذمے داری لی اور اپنی ذمے داری کو بحسن وخوبی نبھایا۔

مصنف نے کتاب کے اخیر حصے میں سات ضمیمے بھی شامل فرمائے ہیں، ضمیمہ اول میں امام احمد رضا قادری کے عقائد، ضمیمہ دوم میں ان کی بعض تصانیف، سوم میں ان کی کچھ قلمی تحریروں کا عکس، چہارم میں وہابیوں اور دیوبندیوں کے رد میں امام احمد رضا قادری بریلوی کی تحریروں کی تائید میں علماے حرمین شریفین کی تقریظوں کے نمونے، پنجم میں برصغیر ہند میں اہل سنت وجماعت کے بڑے مدارس کا ذکر، ششم میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کا رد کرنے والے بعض علما کا تذکرہ اور آخری ضمیمے میں ڈاکٹر محمد سعید رمضان

بوطی اور لامذہبیت کے ایک داعی کے درمیان ہونے والے مباحثے کو شامل کیا گیا ہے۔

یہ کتاب اس جہت سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس کے ذریعہ عرب دنیا میں امام احمد رضا قادری اور بریلوی جماعت کے تعلق سے پھیلی ہوئی بدگمانیاں دور ہوں گی اور تبلیغی و دیوبندی جماعت کا اصلی چہرہ سامنے آئے گا، مصنف نے اس کتاب کی تصنیف سے قبل اپنی کتاب "مِنْ اَقْطَابِ الاُمَّةِ فِی الْقَرْنِ الْعِشْرِیْن" میں بھی امام احمد رضا قادری کے افکار و نظریات کو عمدہ انداز میں پیش کیا ہے۔

"امام عشق و عرفاں" میں ترجمے کی تمام خوبیاں موجو ہیں، زبان و بیان سلیس و شگفتہ ہے، مترجم نے حسب ضرورت حواشی اور تعلیقات بھی تحریر کیے ہیں، ضمیمہ دوم میں اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی تفصیلی فہرست شامل کردی ہے جو مفید اور کار آمد ہے۔ تصانیف کی تفتیش اور نئی ترتیب میں انھوں نے محنت شاقہ صرف کی ہے۔ کتابت وطباعت عمدہ ہے، کمپوزنگ کی کچھ خامیاں رہ گئی ہیں، یہ کتاب علما، طلبہ، عوام اور خاص طور سے رضویات سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے ایک قیمتی تحفہ ہے۔

نام کتاب: شب براءت و شب قدر۔ ایک تحقیقی جائزہ

مصنف: پیر طریقت مولانا محمد علی فاروقی
مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین و دارالیتامیٰ، رائے پور (چھتیس گڑھ)

صفحات 82 قیمت: 25روپے

مبصر : سید سبطین رضا ہاشمی، صدر فیضان حافظ ملت مدرسہ رائے پور (چھتیس گڑھ)

شب براءت دنیاے اسلام کی ان عظیم راتوں میں ایک ہے جن میں پوری رات رحمت و نور کی بارش ہوتی ہے اور بخشش و مغفرت کا پروانہ ملتا ہے، اس لیے اس کی اہمیت اور اس کی فضیلت کی وجہ سے اردو، عربی اور ہندی میں اس پر مصنفین و مولفین نے اہم اور غیر اہم کتابیں لکھیں۔ اس سلسلے میں جب بھی مارکیٹ میں کوئی نئی کتاب آئی، لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑی تعداد میں گھروں گھر پہنچایا۔

پیر طریقت مولانا محمد علی فاروقی مصباحی کی نئی تصنیف، شب براءت و شب قدر، ایک تحقیقی جائزہ، بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی ہے۔ مصنف ایک عظیم قلم کار، شعلہ بیاں خطیب اور خانقاہ فاروقیہ کے سجادہ نشیں ہیں۔ ان کے جد گرامی خلیفۂ اعلیٰ حضرت محسن ملت مولانا حامد علی فاروقی علیہ الرحمہ کو علماے قدیم و جدید سبھی جانتے ہیں، غیر مسلموں میں خصوصاً شدی آندولن میں ان کے تبلیغ اسلام اور خدمت دین و سنیت کے سبھی معترف اور قدر داں ہیں۔ آپ اعلیٰ حضرت کے فیوض و برکات کا پیکر بن کر تقریباً سو سال پہلے چھتیس گڑھ میں پہنچے اور ہر جگہ مسلک اعلیٰ حضرت کا جھنڈا گاڑتے چلے گئے۔ انکے سجادہ نشیں کی حیثیت سے صاحب کتاب ہندوستان کے صف اول کے علما میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب کے لیے جس طرح عرق ریزی کی ہے، کتاب کا ہر صفحہ اس کی منہ بولتی تصویر ہے۔ بہترین ادیبانہ تیور لیے ہوئے کتاب کی سطر سطر روشن اور ورق ورق منور ہے۔

شب براءت کی تحقیق اور اس کے فیوض و برکات سے لوگوں کو آشنا کرنے کے لیے آپ نے ان کی بھی کتابوں سے حوالے نقل کیے جو عام طور پر شرک و بدعت کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔

روحوں کے ملانے کے سلسلے میں ایک سلفی تحریر پر آپ نے جس لطیفانہ انداز میں گفتگو کی، مجھے یقین ہے کہ اسے پڑھ کر آپ بے ساختہ زیر لب مسکرانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ "فاتحہ کا انقلابی پیغام" نے فاتحہ کا ایک نئے انداز سے اس طرح تعارف پیش کیا کہ فاتحہ نہ دلانے والا بھی فاتحہ دلانے پر مجبور ہو جائے گا۔ فاتحہ کی آفاقی حیثیت، مسلم سماج پر اس کے اثرات، ملت کی ترقی میں اس کا بنیادی کردار، مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں اس کا انقلابی پیغام وغیرہ پر ایسے حسین انداز میں گفتگو کی گئی ہے کہ اس کا صحیح لطف پڑھنے ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔

کتاب میں جہاں قدم قدم پر حسین اور خوبصورت جملوں کی روانی ہے، وہیں کہیں کہیں پروف کی کچھ ایسی غلطیاں بھی شامل ہو گئی ہیں جس پر پڑھنے والا قاری سکتہ میں پڑ جاتا ہے۔ امید ہے کہ انھیں آئندہ ایڈیشن میں سدھار لیا جائے گا۔

مجموعی طور پر یہ ایک انقلاب آفریں کتاب ہے جو نہ صرف عقیدہ و عمل کی دنیا کو روشن و منور کرتی ہے بلکہ دلوں میں ایک نئے انقلاب کی دھمک بھی پیدا کرتی ہے۔

اس میں کئی باتیں بالکل نئی ہیں۔ جو عام طور پر اس طرح کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی، جیسے حضرت اویس قرنی کی تاریخ، ان مہینوں میں انتقال کرنے والی ہستیوں کی فہرست، اسماے شہداے بدر وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کی طرف عام طور پر لوگوں کا خیال نہیں جاتا، کتاب کی انھیں خوبیوں کی بنیاد پر اور اس کے انقلابی پیغام کی وجہ سے اس کا مطالعہ کرنے والے علما کا کہنا ہے کہ اسے گھر گھر پہنچانا ایک عظیم خدمت ہے۔

منظومات

نعت پاک

دیکھ کر نقشہ نبی کے کوچہ و بازار کا
رنگ ہے اترا ہوا فردوس کے رخسار کا
جب حلیمہ لے کے بیٹھی ہے شہِ ابرار کو
اونٹنی لاغر مگر عالم ہے کیا رفتار کا
بچھ گئی حسّان کی خاطر ردائے مصطفیٰ
مرتبہ کتنا ہے اونچا نعتیہ اشعار کا
جاں نثاری کے وصیؔ صاحب پڑھے قصے بہت
مثل ہے مشکل رسول اللہ کے انصار کا

نعت پاک

رشحاتِ خامہ میری جو فکر و نظر کی ہے
یہ سب عطائے خاص شہِ بحر و بر کی ہے
یا رب بیان تجھ سا کرے وصفِ مصطفیٰ
یہ وسعتِ نظر کہاں جن و بشر کی ہے
کرتے ہیں احترام سب آلِ رسول کا
کہنہ یہ ریت حضرتِ احسن کے گھر کی ہے
جائز نہیں خیالِ تصور وجود کا
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے
روزِ حساب پیش کروں گا اِسے وصیؔ
بس نعت ہی کمائی ہے جو عمر بھر کی ہے

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی

منقبت

در شان حضور حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ

تذکرہ مصطفیٰ کا کرتے ہیں سب فدایانِ حافظِ ملت
نعت کی شکل میں زباں پر ہے، خوب احسانِ حافظِ ملت
ہم کو سرکار سے محبت ہے، اور اصحاب سے عقیدت ہے
اہلِ بیتِ نبی سے الفت ہے، اولیاے خدا کی چاہت ہے
ہم ہیں اپنے نبی کے دیوانے اور قربانِ حافظِ ملت
مدحتوں کے چمکتے ساغر میں، گھول رکھی ہے چاشنی دل کی
کوئی نغمہ جو چھیڑتے ہیں ہم، ہم کو کہتے ہیں جان محفل کی
مرتبے مِل رہے ہیں سب ہم کو، زیرِ دامانِ حافظِ ملت
جب تلاوت کلامِ باری کی، خوش ادائی کے ساتھ کرتے ہیں
ایسا لگتا ہے رحمتوں کے لب، ہم سے خاموش بات کرتے ہیں
نعت کے زمزمے سناتے ہیں، ہم ثنا خوانِ حافظِ ملت
فیضِ علم و ہنر ملا ہم کو، حافظِ دین اور ملت سے
حافظِ دین اور ملت نے، ہم کو جوڑا ہے اعلیٰ حضرت سے
ہم کو حاصل ہوئے محبت کے، سب یہ سامانِ حافظِ ملت
تذکرہ ہو کسی کا، نام آئے، لازماً چند ایک جملوں میں
گل کی ہر پنکھڑی پہ لکھا ہے، نامِ حافظ مہکتے لفظوں میں
کھل رَہا ہے وَرَق وَرَق دیکھو، روز دیوانِ حافظِ ملت
میں یہ مہتابؔ کر رہا ہوں دعا، لنگرِ علم و فن چلے ہر دَم
جو زباں چُپ ہے ایک مدّت سے، پاکے ذوقِ سخن چلے ہر دَم
یوں ہی روشن بنائے سینوں کو نورِ ایوانِ حافظِ ملت

مہتاب پیامی (مبارک پور)

صدائے بازگشت

اللہ تعالیٰ ماہ نامہ اشرفیہ کے عروج کا سلسلہ قائم رکھے

مکرمی! .... سلام مسنون

ایک نعت پاک حاضر خدمت ہے۔ کافی دنوں سے بزم اشرفیہ سے غیر حاضر ہوں، ان دنوں نیپال کی سیاسی حالت بے حد خراب ہے، ترائی علاقے میں ایک سو آٹھ دنوں سے بند، ہڑتال کی وجہ سے اشرفیہ کے دیدار سے بھی محروم ہوں۔ ترائی کے باشندے (جنھیں مدھیشی کہتے ہیں اور نیپالی حکمراں طبقہ بہاری یا ہندوستانی کہتے ہیں) اپنے حقوق کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ پچاس سے زائد مظاہرین کی جانیں فوج کی گولیوں سے جاچکی ہیں۔ دعا کیجیے کہ حکمراں جماعت ہماری مانگیں جلد پوری کردے۔ سیاسی، سماجی اور اقتصادی طور پر پورا ملک متاثر ہے۔ بھارت سرکار مدھیشیوں کے حقوق کی بحالی کے لیے بارڈر کی اقتصادی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ ہندو پاکستان سے رسائل و جرائد آج کل پہنچ نہیں پارہے ہیں۔ ادبا و شعرا کے لیے اس سے بڑی سزا اور کیا ہو سکتی ہے۔ ادبی دنیا سے ہم لوگ بالکل الگ تھلگ ہو چکے ہیں۔ خداوند قدوس ماہ نامہ اشرفیہ کے عروج کا سلسلہ قائم رکھے۔ آمین۔ خیر اندیش۔

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی، ملنگوا، ضلع سرلاہی، نیپال

سیکولرزم کے اہداف اور خطرناک منصوبے

مکرمی! .... سلام مسنون

کچھ لوگ اپنے آپ کو سیکولر کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں؛ جب کہ انہیں سیکولرزم کا معنی و مفہوم اور مقصد ہی معلوم نہیں ہوتا۔ آیئے ہم سیکولرازم کا معنی اور مقصد سمجھتے ہیں۔ سیکولرزم کا معنی ہے دین کو زندگی اور حکومت سے الگ کرنا۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب ہے لادینیت ۔ سیکولرزم کی ابتدا یورپ میں اصلاح مذہب کی تحریک کے بعد ہوئی ۔ یورپ نے یہ دیکھ لیا کہ نصرانیت کی خلاف عقل تعلیمات زندگی کے حقائق کا ساتھ نہیں دے سکتیں؛ اس لیے انہوں نے دین اور دنیا کو الگ الگ کرلیا۔ اسی طرح بدھ مت اور ہندو مت سمیت ہر مذہب کے پیروکاروں کو یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ان کے مذاہب جیتی جاگتی زندگی کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔ اس لیے وہ سیکولرزم کے قائل ہوگئے ۔ مگر اسلام زندگی سے فرار نہیں چاہتا بلکہ گھر سے لے کر حکومت تک زندگی کے تمام مسائل کو حل کرتا ہے اور دنیا کے ہر خطے میں نافذ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے مغربی مفکرین اسلامی دنیا میں سیکولرزم کو زیادہ شدت کے ساتھ پھیلانے کوشش کر رہے ہیں ۔

سیکولرزم کے داعی غلط طور پر مسلمانوں کے ذہن میں یہ بیٹھاتے ہیں کہ دین اور دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دیگر ادیان کی طرح اسلام بھی زندگی کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس مقصد کے لیے مغرب نے مستشرقین کے شاگردوں کو بطور خاص استعمال کیا جو شریعت، سیرت اور تاریخ کو مسخ کر کے سیکولرزم کو قابل قبول بنانے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔ عالم اسلام سے متعلق سیکولرزم کے بنیادی اہداف یہ ہیں:

(۱) مسلمانوں کے عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کرنا (۲) مغرب کے ملحدانہ افکار اور مادیت پرستانہ خیالات کو رواج دینا (۳) اسلام کو حکومت، سیاست اور معاشرت سے خارج کر کے مغربی اقدار کے مطابق سیکولر حکومت کو تشکیل دینا۔

سیکولرزم کے تین اہم حربے ہیں (۱) جاہلی عصبیت کو فروغ دینا (۲) مسلمانوں کو صالح قیادت سے متنفر کرنا (۳) آزادی نسواں۔

از: شبیر موتی گڈھی

اللہ تعالیٰ ماہ نامہ اشرفیہ کو نظر بد سے بچائے

مکرمی! .... سلام مسنون

امید ہے آپ بخیر ہوں گے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں، علم میں برکت عطا فرمائے۔ ماہ نامہ اشرفیہ ہر ماہ پابندی سے مل رہا ہے جس کا مطالعہ کرنے سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے نظر بد سے بچائے اور دن دونی ترقی عطا فرمائے۔ الحمد للہ ماہ نامہ اشرفیہ دن بہ دن عمدہ ہوتا جارہا ہے، مسائل کا کالم ماہ نامہ میں چار چاند لگا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مفتی اشرفیہ کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور حاسدین کے دل میں مفتی صاحب اور اشرفیہ کی محبت عطا فرمائے۔ آمین۔

عرس حافظ ملت کے موقع پر علمائے کرام حافظ ملت کی بارگاہ میں جو نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں وہ بہت ہی خوب ہوتا ہے اور حافظ ملت کی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں، عرس کے موقع پر حافظ ملت کی سوانح حیات اور اشرفیہ کی تاریخ کا پیش منظر بیان کریں اور عوام کو نماز کی پابندی کی تاکید کریں۔ اشرفیہ اہل سنت کا مرکزی ادارہ ہے اور اشرفیہ کا اسٹیج اہل سنت و جماعت کا ایک ذمہ دار اسٹیج ہے، یہاں لوگوں کو محبت کا پیغام دیا جائے، حافظ ملت کے فرمان پر عمل کیا جائے، ہر مخالفت کا جواب کام ہے، عرس حافظ ملت میں جو آئیں وہ اشرفیہ سے اچھا پیغام لے جائیں۔ فقط والسلام

محمد احمد ابن ولی محمد عزیزی، جلال پور، امبیڈکر نگر

تبلیغی سرگرمیاں

سنی دعوتِ اسلامی کا پچیسواں عالمی سالانہ سنی اجتماع

سنی دعوت اسلامی کے پچیسویں بین الاقوامی اجتماع کا آغاز ۱۱/ نومبر ۲۰۱۵ء وادی نور آزاد میدان میں جمعہ کی نماز کے بعد ہوا۔ نماز جمعہ کے قبل ہی سے ممبئی و مضافات نیز ملک کے دیگر شہروں سے خواتین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو شب نو بجے تک جاری رہا اور دعا کا وقت ہوتے ہوتے تقریباً پورا میدان خواتین سے بھر گیا۔ معین المشائخ حضرت سید معین الدین اشرفی الجیلانی نے افتتاحی دعا میں معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے اور پوری دنیا میں امن و امان کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔ ہوسٹن امریکہ سے تشریف لائے حضرت مولانا قمر الحسن بستوی نے اپنے اصلاحی خطاب میں فرد کی اصلاح پر زور دیتے ہوئے کہا کہ گھر کی اصلاح اسی وقت ہوتی ہے جب فرد کی اصلاح ہوجاتی ہے اور معاشرے کی اصلاح اس وقت ہوتی ہے جب گھر کی اصلاح ہوجاتی ہے۔

سوال و جواب کے سیشن میں محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین رضوی مصباحی (پرنسپل جامعہ اشرفیہ مبارک پور، یوپی) نے کثیر سوالات کے جوابات دیے۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ نماز میں حضور ﷺ نے تشہد پڑھنے کا حکم اس لیے دیا کہ انھوں نے اپنی نگاہ نبوت سے دیکھ لیا تھا کہ تیرہ چودہ سو سال کے بعد کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو میری شان میں گستاخیاں کریں گے۔ تو یہ تشہد ایمان والوں کے لیے معیار ہوگا۔ ایک سوال کے جواب میں آپ نے کہا کہ بدمذہب وہ ہیں جن کے حضور ﷺ کے تعلق سے نہایت گندے عقیدے ہیں جنھوں نے حضور ﷺ کو گالیاں دی ہیں جو ان کی کتابوں میں چھپی ہوئی ہیں۔ انھوں نے خواتین سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ جب آپ اپنے ماں باپ کو گالیاں دینے والوں سے رشتہ ناطہ توڑ لیتی ہیں تو جو حضور فخر کائنات ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں ان سے بھی تعلق ختم کرلیں، ان کے یہاں شادی بیاہ نہ کریں، ان سے کسی بھی طرح کا کوئی تعلق نہ رکھیں۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ عورتوں پر ایام حیض و نفاس میں نماز و روزہ معاف ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب عورتیں اللہ کا ذکر نہیں کرسکتیں۔ جب نماز کا وقت ہوجائے تو وہ تسبیح و تہلیل کرتی رہیں، تاکہ عادت بنی رہے اور اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہوتی رہے۔

ایک سوال کیا گیا کہ ڈاکٹر نے بدن کے کسی حصے پر لوشن لگانے کے لیے دیا ہے۔ لیکن اس میں الکحل ہے تو اس حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ایسی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر شوہر تین ماہ تک بیوی سے بات نہ کرے تو کیا نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ کے جواب میں مفتی صاحب نے فرمایا کہ بات نہ کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا مگر بیوی پر ضروری ہے کہ شوہر سے بات چیت کرے اس کو خوش کرے۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ عورتوں کو شاہ جہاں نام نہیں رکھنا چاہیے کیوں کہ یہ ایک مرد بادشاہ کا لقب تھا۔ اور اگر رکھنا ہی ہے تو کوئی ایسا لفظ لگالیں جس سے عورت ہونا واضح ہوجائے جیسے شاہ جہاں خاتون۔ ایسا نام نہ رکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نام میں بڑائی، غرور اور گھمنڈ ٹپکتا ہے۔ یہی حکم اُن ناموں کا ہے جو مرد و عورت میں مشترک ہیں جیسے نسیم، شمیم وغیرہ۔ ایک سوال کیا گیا کہ سید اسے کہتے ہیں جو آل رسول ہو لیکن کچھ علاقوں میں سید سرنیم ہوتا ہے تو کیا اسے زکوۃ دے سکتے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ اسے زکوۃ دے سکتے ہیں البتہ اسے مانگنا نہیں چاہیے۔ پلنگ پر نماز نہیں پڑھ سکتے کیوں کہ پلنگ پر توازن برقرار نہیں رہتا اور اس وجہ سے بھی کہ نماز میں یہ ضروری ہے کہ سجدے میں ناک کی ہڈی جمی ہوئی ہو اور پلنگ پر نماز کا فریضہ صحیح طور پر ادا نہیں ہو پاتا۔

یو۔کے سے تشریف لائے سنی دعوت اسلامی کے سرپرست مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی مصباحی نے خواتین کے اس عظیم الشان اجتماع میں ماں کی فضیلت و اہمیت پر پر مغز اور فکر انگیز خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ انسانی رشتوں میں جو رشتہ سب سے زیادہ معظم اور بلند ہے وہ ماں کا رشتہ ہے اللہ عزوجل نے ماں کے قدموں تلے جنت رکھی ہے، ماں زندگی کے تپتے ہوئے صحرا میں اپنے بچوں کے لیے ٹھنڈی چھاؤں کی حیثیت رکھتی ہے، ماں اپنے بچے کو صرف دودھ ہی نہیں پلاتی بلکہ اخلاق فاضلہ کے جام شیریں سے بھی سیراب کرتی ہے اس لیے ماں جتنی عظیم ہوگی اس کا بچہ بھی اتنا ہی عظیم ہوگا۔

امیر سنی دعوت اسلامی مولانا محمد شاکر نوری نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۷۱ کی روشنی میں بتایا کہ جو مومن ہوگا وہ مومن سے دوستی

کرے گا اور دوستی کا حق اچھی باتیں کہ کراداکرے گا اور بری باتوں سے منع کر کے کرے گا۔ حضرت امیر سنی دعوت اسلامی نے مزید فرمایا کہ آج گھریلو تعلقات میں بگاڑ اور باہمی انتشار کی وجہ علامات نفاق کا پایاجانا ہے کہ منافق بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور اچھی باتوں سے روکتے ہیں۔ افسوس کہ ہماری خواتین اور بچیاں لمحاتی رشتوں کو ترجیح دینے لگی ہیں جس کی وجہ سے گھر کے گھر ویران ہو رہے ہیں۔ جب کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے دائمی عمل کو پسند فرمایا ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہترین عمل وہ ہے جو تھوڑا ہو مگر ہمیشہ ہو۔ افسوس! آج وہ بچیاں جو ابھی بارہ تیرہ سال کی ہوتی ہیں ان کے ذہن وفکر میں ازدواجی زندگی سے متعلق خیالات جڑ پکڑنے لگتے ہیں اور اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے چکر میں ہماری بچیاں بے شمار غلطیاں کر بیٹھتی ہیں۔ جب کہ ان کی یہ عمر اس لائق ہے کہ وہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات حصول علم میں گزاریں۔ اپنے اندر کردار وعمل کی پختگی پیدا کریں۔ ساتھ ہی والدین کے حقوق کو ادا کریں اور اپنی دینی ذمے داریوں کو انجام دیں۔ اخیر میں انھوں نے خواتین سے اس بات کی خاص طور پر تلقین کریں کہ اس بات پر خاص نگاہ رکھیں کہ ہماری بچیاں وہ کام ہر گز نہ کریں جن کی ادائیگی ان کے والدین کی ذمے داری ہے۔

اجتماع کا دوسرا دن: اجتماع کا دوسرا روز بھی نہایت کامیابی کے ساتھ، معاشرے کو امن وامان کا گہوارہ بنانے اور دہشت گردی کی مذمت پر ختم ہوا۔ اجتماع کا آغاز یوں تو تہجد کے وقت ہی شروع ہو گیا تھا جو نماز ظہر تک چلا اس سیشن میں مقامی مبلغین ونعت خواں حضرات سامعین کو نعت وبیانات نیز تربیتی پروگرام سے محظوظ کرتے رہے۔ دوسرا سیشن بعد نماز ظہر ہوا جس میں خصوصیت کے ساتھ گلاسکو (یوکے) سے تشریف لائے حضرت مولانا فروغ القادری (سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن) نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ امن وامان کا قیام اور دہشت گردی کا خاتمہ صرف اور صرف عشق رسول سے ہی ممکن ہے۔ مولانا نے کہا کہ آج دنیا کی طاقتیں اگر کسی سے خائف نظر آتی ہیں تو وہ مسلمان ہیں، ایسے مسلمان جن کے دلوں میں عشق رسول کی شمع روشن ہو۔ انھوں نے مزید کہا کہ آج دنیا میں بنام اسلام جہاں جہاں دہشت گردی، ظلم، شیطنت اور بہیمیت ہو رہی ہے وہ مسلمان نہیں ہوسکتے کیوں کہ جو نبی کا غلام اور عاشق رسول ہوتا ہے وہ کبھی دہشت گردی اور ظلم نہیں کرتا، کبھی امن وامان کو غارت نہیں کرتا۔ انھوں نے کہا کہ جب تک انسان کا رشتہ قرآن سے جڑا رہا تاریخ گواہ ہے وہ ہمیشہ ترقی کرتا رہا اور جب سے اس نے قرآن سے اپنا رشتہ توڑا تب سے وہ پسماندگی اور ذلت کی گہری کھائی میں گرتا جا رہا ہے۔ ذلتوں، مایوسیوں سے نکلنے کا علاج صرف اور صرف اسلام کے دامن میں ہے۔

اجتماع کا آخری دن: تیسرے دن کے اجتماع کا باضابطہ آغاز صبح دس بجے ہوا۔ جامعہ غوثیہ نجم العلوم کے ایک ہونہار طالب علم نے عربی زبان میں خطاب کیا، بعدہ مفتی توفیق احسن برکاتی (چیف ایڈیٹر ماہنامہ سنی دعوت اسلامی) نے "امام احمد رضا قدس سرہ اور تعمیر شخصیت" کے موضوع پر نصف گھنٹہ خطاب کیا آپ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ مجدد اعظم امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے کتابیں تصنیف کیں، فتاوی بھی تحریر کیے اور اُمت مسلمہ کو نبی کونین ﷺ سے سچے عشق کی پہچان کروائی۔ اسی طرح ان کا بڑا کارنامہ یہ بھی کہ انھوں نے ماہر اساتذہ، مناظرین، مصنفین، اور قائدین کی ایسی جماعت تیار کی اور ان کی علمی وفکری تربیت اس نہج پر کی کہ وہ آپ کے بعد آپ کے تجدیدی مشن کو نہ صرف زندہ رکھیں بلکہ خوب آگے بڑھائیں گویا شخصیت کی تعمیر بھی امام احمد رضا قدس سرہ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

سہ روزہ اجتماع کے آخری دن امیر سنی دعوت اسلامی نے اپنے خطاب میں بہت سارے پیغامات سامعین کے حوالے کیے۔ انھوں نے اپنے خطاب میں قرآنی آیات کی روشنی میں فرمایا کہ آج کا انسان ہر چیز کی تحقیق میں لگا ہے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ اشیاء کی تحقیق وتفتیش میں اپنا قیمتی وقت صرف کر رہا ہے مگر افسوس وہ اپنی ذات پر ریسرچ نہیں کر رہا ہے کہ وہ کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ انسان زمین سے لے کر آسمان تک کی تمام چیزوں کی تہ تک پہنچ جاتا ہے مگر وہ اس بات پر غور نہیں کرتا کہ اللہ نے اسے جو نعمتیں دی ہیں، اسے عقل وفکر اور اعضا دیے ہیں، انہیں کس مقصد میں لگایا جائے۔

اخیر میں حضرت امیر سنی دعوت اسلامی نے پر سوز اجتماعی دعا فرمائی، بعد ازاں یہ تاریخی اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

از: محمد توفیق احسن برکاتی

خیر و خبر

درود و سلام پڑھنے کے جرم میں سعودی حکومت نے دو ہزار سے زائد افراد کو عرب ممالک میں داخلے پر دائمی پابندی عائد کی

تنظیم ابنائے اشرفیہ اور دیگر تنظیموں نے صدائے احتجاج بلند کی

بارہ ربیع النور شریف کے موقع پر اپنے ملک ہندوستان سمیت جہاں پوری دنیا میں دیوان گان رسول فرحت وانبساط کے ماحول میں جشن عید میلاد النبی ﷺ اور جلوس وغیرہ کا انعقاد کر کے ذکرِ رسول اور درود و سلام کے گل دستے پیش کر کے اپنی محبتوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں امسال ۱۲/ ربیع الاول شریف کے موقع پر مسجد نبوی شریف میں ایشیائی ممالک سے تعلق رکھنے والے دو ہزار سے زائد افراد کو خصوصی زیارت کرنے اور وہاں سلام پڑھنے کی کوشش کے الزام میں سعودی حکام نے گرفتار کر کے انھیں تاحیات عرب ممالک میں داخلے کو ممنوع قرار دے دیا ہے، اس میں مہراج گنج کے بھی نصف درجن لوگ شامل ہیں۔ اس معاملے کو لے کر ضلع و اطراف کی متعدّد تنظیموں سے وابستہ علما اور عوام کے اندر زبردست غم و غصہ کا ماحول قائم ہے۔ نیشنل اسلامک اکیڈمی کے صدر مفتی محمد صادق مصباحی اور عالمی تنظیم ابنائے اشرفیہ کے ضلع سرپرست علامہ الحاج منور حسین عزیزی مصباحی نے کہا کہ سعودی کی نجدی حکومت نے زائرین حرمین شریفین کو گرفتار کر کے اپنی گندی ذہنیت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کی ہم پرزور مذمت کرتے ہیں۔ علما نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کے دیوانے عشقِ رسول میں سرشار ہو کر اگر درود و سلام پیش کرتے ہیں تو ان ظالموں کے سینے پر کیوں سانپ لوٹتا ہے۔ ٹیچرس ایسو سی ایشن مدارس عربیہ اتر پردیش کے جنرل سکریٹری مولانا دیوان صاحب زماں جامعہ رضویہ نور العلوم سول لائن کے نائب پرنسپل مولانا محمد شہاب الدین کامل مصباحی اور ڈاکٹر ضیاء اللہ خاں نے کہا کہ عاشقانِ رسول کو گرفتار کر کے سعودی حکام نے جو خباثت کا اظہار کیا ہے، اسے ہرگز معاف نہیں کیا جا سکتا۔ عن قریب ایسے بد کردار ڈکٹیٹر شپ والے حکام انشاء اللہ قہرِ خداوندی میں گرفتار ہوں گے۔ واضح ہو کہ اس ضمن میں صدر جمہوریہ کے نام مذمتی میمورنڈم ارسال کر کے مطالبہ کیا گیا ہے کہ کروڑوں سنی مسلمانوں کی طرف سے صدائے احتجاج بلند کرائیں گے۔ علما نے انتباہ دیا ہے کہ کملیش تیواری کی طرح سعودی حکام کا پتلہ نذرِ آتش کیا جائے گا۔

عالمی تنظیم ابنائے اشرفیہ و ٹیچرس ایسوسی ایشن مدارس عربیہ کے مرکزی میڈیا انچارج مولانا قاری محمد نور الہدیٰ مصباحی گورکھپوری نے اپنے مذمتی بیان میں کہا کہ یہ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے دیوانے ان کی بارگاہ میں پہنچ کر درود و سلام نہ پڑھنے پائیں۔ سعودی کی نجدی حکومت کے ظالمانہ رویہ کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ وہ ملعون یہودی سے بھی بدتر نظر آ رہے ہیں۔ شراب و کباب میں مست رہنے والی اس حکومت کے خلاف ہر چہار جانب سے پرزور مذمت ہونی چاہیے۔ اب ان کے زوال کا وقت آ چکا ہے۔

مولانا عبد السلام قادری فہیم بستوی میڈیا انچارج خانقاہ برکاتیہ عزیزیہ چلبلوا، مولانا محمد شہاب الدین قادری امام و خطیب حافظ ملت مسجد پڑریہا اور قاری توصیف رضا مصباحی نے کہا کہ آقا ﷺ کے دیوانے اس شوق سے مدینہ شریف جاتے ہیں کہ ان کی بارگاہ میں خوب خوب درود و سلام کے نذرانے پیش کر کے اپنے دل کی پیاس بجھائیں گے، مگر افسوس وہاں کی ظالم حکومت مہمانانِ رسول پر ظلم و زیادتی کے پہاڑ توڑ رہی ہے۔ اسے اب ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔ پوری دنیا کے سنی مسلمانوں کو اس نجدی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔ دہشت گردانہ نظام اب ہرگز نہیں چلنے دیا جائے گا۔ علما نے کہا کہ ان جاہل حکمرانوں کو قرآن و حدیث کا کم از کم مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ ان کے ذہن کی گندگی دور ہو جائے۔

از: نور الہدیٰ مصباحی، لکشمی پور، مہراج گنج (یوپی)

حضرت شاہ ثقلین اکیڈمی آف انڈیا شاخ مراد آباد کے زیر اہتمام اکیاون (۵۱) اجتماعی شادیاں

خانقاہوں کا مقصد قیام خدمت خلق، رشد و ہدایت، امن و شانتی کا پیغام عام کرنا، سماج سے برائیوں کو دور کرنا، مظلوموں کی دادرسی، کمزور طبقے کی فریاد رسی، یتیموں بیواؤں کی دستگیری، اسوۂ حسنہ کی نشر و اشاعت اور اسلام کی دعوت و تبلیغ ہے۔ عصر حاضر میں

الا ماشاء اللہ بیشتر خانقاہیں ان خدمات و کارناموں سے عاری و خالی ہیں۔

سماج سیوا کا بنیادی اصول " الخلق کلھم عیا ل اللہ " ہے۔ یہ خانقاہوں کی خدمت خلق کی ہی دین ہے کہ چہار دانگ عالم میں اسلام کی روشنی نظر آرہی ہے۔ تصوف کوئی مستقل چیز نہیں ہے بلکہ اسلامی اصول و قوانین اور امر و نواہی پر عمل کرنے کا نام ہے۔ بلفظ دیگر قرآن و حدیث اور سیرت رسول پر عمل کرنے کے لیے صوفیانے جو منہج مہذب قوم کے سامنے رکھا اس کا نام تصوف ہے۔

آج بھی کچھ خانقاہیں ایسی ہیں جو اپنے اکابر و اسلاف کے مشن اور خانقاہی اصول پر عمل پیرا ہیں۔ خدمت خلق کا سچا جذبہ موجود ہے شب و روز غربا، فقرا، مساکین، محتاج، یتیم، مختلف قسم کے ضرورت مندوں کی امداد کرتے ہیں۔ سلسلہ قادریہ نقش بندیہ مجددیہ کی عظیم خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف اس سلسلے میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف کی رفاہی و فلاحی تنظیم " حضرت شاہ ثقلین اکیڈمی آف انڈیا " اطراف ہند میں ہر قسم کی خدمت خلق انجام دے رہی ہے۔ شہر صدر الافاضل کے تاریخی میدان عید گاہ میں سالہائے گزشتہ کی طرح امسال بھی اکیڈمی کی شاخ مرادآباد کے زیر اہتمام ۱۱؍ اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز اتوار (۵۱) اجتماعی شادیاں ہوئیں۔ جس کی سرپرستی شیخ طریقت حضرت شاہ محمد ثقلیں میاں قادری مجددی سجادہ نشین خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف نے فرمائی۔

مولانا مختار احمد ثقلینی تلہری بریلی شریف نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ مولانا ڈاکٹر محمود حسین وامقی اشرفی پروفیسر بریلی کالج بریلی نے اپنے خطاب میں کہا اللہ کے راستے میں اپنی دولت خرچ کرنا صوفیا کے مشرب میں محبوب عمل رہا ہے۔ قرآن کی تعلیم بھی خیر و صلاح اور فلاح و بھلائی تک پہنچنے کا اچھا راستہ صدقہ خیرات کو بتاتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کوئی دولت جمع نہیں کی۔ جو کچھ ہوتا کہیں سے حاصل ہوتا اسے فوراً ضرورت مند مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ صوفیا نے اسی طریق مصطفی کو اپناتے ہوئے خدمت خلق کا کام شروع کیا۔ اور اللہ تک انسان کی رسائی میں سب سے بڑی رکاوٹ مال و دولت جمع کرنے کو بتایا۔ صدقہ صوفیا کی نظر میں نہ صرف اللہ کو پسند ہے بلکہ خود رضائے الٰہی کا ذریعہ بھی ہے۔ اس کے ذریعہ آدمی اللہ کے بندوں کی خدمت کرتا ہے اور ان کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ انہیں تعلیمات اسلام کا عملی مظاہرہ پیش کرنے کے لیے حضرت شاہ ثقلین میاں مجددی زید مجدہ نے آج سرزمین مرادآباد پر اکیاون اجتماعی شادیوں کا یہ حسین مرقع انسانیت کے سامنے پیش کیا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اجتماعی نکاح کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آج صدر الافاضل کی سرزمین مرادآباد کے تاریخی میدان عید گاہ میں حضرت شاہ ثقلین میاں قادری مجددی زیب سجادہ خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف نے جو قابل صد مبارکباد اور تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے اس کے لیے ہم تہ دل سے تحسین و تبریک پیش کرتے ہیں اور ہم سب اس سلسلے میں حضرت شاہ ثقلیں میاں دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ ہیں۔ اجتماعی نکاح کے بے شمار فوائد سے چند فائدے یہ ہیں۔

(۱) غریب و نادار مسلم لڑکی اور لڑکوں کی شادی وقت پر ہو جاتی ہے۔ اور وہ دولت نہ ہونے کی وجہ سے عمر دراز نہیں ہوتیں۔

(۲) بے جا اخراجات اور فضول خرچی سے نجات مل جاتی ہے۔ اور کم اخراجات میں شادی کی تقریب ہو جاتی ہے۔

(۳) بے شمار غیر اسلامی رسم و رواج کی ادائیگی نہیں ہو پاتی ہے۔ اور خلاف سنت امور سے اجتناب ہو جاتا ہے۔

(۴) جو مسلمان اجتماعی نکاح میں مال و دولت کے ذریعہ امداد کرتے ہیں ان کی زکوٰۃ، امداد، صدقات و خیرات صحیح مصرف میں صرف ہوتی ہے۔ غلط فہمی کے شکار حضرات کے سامنے جب یہ عملی اقدام ہوتا ہے تو غلط فہمی خوش فہمی میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ خانقاہیں آج بھی اپنا منصبی فریضہ ادا کر رہی ہیں اور خدمت خلق کا دستور آج بھی جاری ہے۔

مولانا نور محمد ثقلینی نے اپنے خطاب میں کہا کہ آج کے زمانے میں افراتفری، انتشار و اضطراب، بے چینی و بے سکونی اور قلب و دماغ کی بے اطمینانی جیسے امراض عام ہیں۔ پوری دنیا دہشت گردی سے نبرد آزما ہے۔ ہر شخص اپنے دل و دماغ میں اور پورے عالم میں امن و شانتی اور چین و سکون کا متلاشی ہے۔ ایسے لوگوں کو صوفیا کے اس نصاب پر عمل کرنا ہوگا جو انہوں نے قرآن و حدیث اور سیرت رسول کے اصول پر استوار کیا اور قوم کے سامنے عملی مظاہرہ پیش کر کے پوری دنیا کو پر سکون ماحول اور خوشگوار فضا عطا فرمائی۔ استاذ الشعرا نور ککرالوی کی قیادت میں کانفرنس منعقد ہوئی۔ حافظ محمد عالم

ثقلینی بریلی شریف کی تلاوت کلام اللہ سے "شاہ شرافت کانفرنس" کا آغاز ہوا۔ جناب محمد نور عالم ثقلینی مرادآباد نے حمد باری تعالیٰ پیش کی۔ حافظ محمد عامل ثقلینی ککرالوی، اور جناب حسیب رونق ثقلینی بریلوی نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

دو بجے نماز ظہر کی اذان ہوئی اور درگاہ حضرت سیدنا شاہ مکمل چشتی صابری کی مسجد میں نماز ظہر ادا کی گئی۔ اس کے بعد الحاج ممتاز میاں ثقلینی چیرمین حضرت شاہ ثقلین اکیڈمی آف انڈیا اور الحاج محمد غازی میاں ثقلینی کی قیادت میں نکاح خوانی ہوئی۔

حافظ محمد غوثی میاں ثقلینی، حضرت محمد سلمان میاں ثقلینی، حافظ ذاکرحسین ثقلینی، حافظ سمیع الدین ثقلینی نے نکاح پڑھائے۔ قاری انوار احمد ثقلینی دول پوری مدرس جامعہ شاہ شرافت بریلی شریف نے خطبہ نکاح پیش کیا۔

الحاج ڈاکٹر محمد اسمٰعیل قریشی ثقلینی ممبئ کل ہند صدر حضرت شاہ ثقلین اکیڈمی آف انڈیا نے اکیڈمی کے اغراض و مقاصد، خدمات و کارنامے اور مستقبل کے عزائم و منصوبوں کی تفصیلی روداد پیش کی۔ الحاج عبد الطیف قریشی ثقلینی بریلی شریف صوبائی صدر نے حاضرین و سامعین اور پولیس محکمہ کا شکریہ ادا کیا۔ اجتماعی شادیوں میں پچاس پچاس مرد و عورت نے لڑکے اور لڑکی کی طرف سے شرکت کی۔ زندگی بسر کرنے لیے ضروری سامان بھی زوجین کو تحفہ پیش کیا۔(۱) ڈبل بیڈ (۲) سیف الماری(۳) کھانے پینے کے پچاس برتن (۴) کرسیاں مع میز (۵) زوجین کو پانچ پانچ جوڑی کپڑے (۶) سلائی مشین (۷) لہاف گدا (۸) گیس سلنڈر، چولہا(۹) پلاسٹک کا ٹب اور بالٹی (۱۰) قرآن مجید و جائے نماز۔

ایک شادی کا خرچ تیس ہزار روپے سے زائد رہا۔ اسی طرح اجتماعی شادیوں کا یہ پروگرام ہر سال بریلی شریف، جھانسی، بھوپال، ممبئ عظمیٰ، مرادآباد وغیرہ ہوتا ہے۔ اجتماعی شادیوں کے علاوہ موقع و محل کے اعتبار سے مسلمانوں کو جو ضروریات اور پھر ارضی و سماوی آفتیں پریشانیاں آتی رہتی ہیں اکیڈمی وہاں وہاں خدمت خلق کا یہ فریضہ انجام دیتی ہے۔ مرادآباد کے اس پروگرام میں مختلف سماجی و سیاسی عظیم شخصیات، معززین شہر، عمائدین قوم، علما و مشائخ اور حضرت سید شاہ آصف علی صابری سجادہ نشین درگاہ شاہ مکمل چشتی عید گاہ مرادآباد، مولانا محب علی نعیمی صدر تنظیم عوام اہل سنت مرادآباد، مولانا صوفی جعفرحسین ثقلینی بیر کھیڑا مرادآباد، حافظ محمد عالم ثقلینی بیر کھیڑا مرادآباد، حافظ محمد آفاق ثقلینی بریلی شریف، حافظ محمد ابصار ثقلینی بہیڑی، مولانا محمد زبیر ثقلینی بہیڑی، ڈاکٹر حمید الدین ثقلینی بریلی، الحاج محمد انتظار ثقلینی صوبائی سکریٹری بریلی شریف اور ضیاء الرحمٰن ثقلینی بریلی شریف نے شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ اکیڈمی کی خدمات قبول فرمائے۔ خلوص و للّٰہیت اور رضائے الٰہی کے خاطر مزید خدمت اسلام و مسلمین کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ صاحب سجادہ حضرت شاہ ثقلین میا قادری حفظہ اللہ تعالیٰ کو صحت و سلامتی کے ساتھ عمر خضر عطا فرمائے۔

آمين يا مجيب السائلين برحمتك يا ارحم الراحمين بجاه سيد المرسلين عليه الصلوٰة و التسليم

از: فہیم احمد ثقلینی، قصبہ ککرالہ ضلع بدایوں شریف

مظفرپور میں شفیع محشر کانفرنس

ہر سال کی طرح امسال بھی دارالعلوم سلمانیہ و مسلم یتیم خانہ پٹھان ٹولی دامودر پور مظفرپور بہار کے زیر اہتمام یک روزہ شفیع محشر کانفرنس ۱۷؍ نومبر ۲۰۱۵ مطابق ۴؍ صفر المظفر ۱۴۳۷ھ کو ادارے کے وسیع و عریض صحن میں منعقد ہوئی۔ جس میں ملک و ملت کے نامور علما، صوفیا، خطبا، اور شعرا کا حسین قافلہ صحن جامعہ میں اترا۔

بعد نماز عشا مولانا مہتاب عالم مصباحی نے تلاوت کلام اللہ سے جلسے کا آغاز کیا۔ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں شاعر اسلام توقیر اللہ آبادی، قیصر مظفرپوری، جوہر اسلام پوری، دلبر اسلمی، مشتاق نوری نے نعتیہ کلام پیش کیا۔ خصوصی شعرا میں شرف الحق ثانو بانو سندیلہ شریف، اکمل و کوثر مظفرپوری، دلبر شاہی کلکتہ نے بارگاہ رسالت ﷺ میں نعتیہ کلام پیش کیا۔ ابتدائی تقریر مفتی ندیم الزماں اجمل مصباحی شیوہر کی اصلاح معاشرہ پر ہوئی۔ حضرت مولانا غلام رسول کا خطاب ہوا۔ پیر طریقت مفتی غلام حیدر قادری مصباحی نقش بندی بانی و مہتمم دار العلوم سلمانیہ و مسلم یتیم خانہ نے اسمائے فارغین کی صدا بلند کی اور انیس نونہالان اسلام کے سروں پر حضور عزیز ملت پیر طریقت الحاج علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔ مفتی شمیم القادری، صدر المدرسین مدرسہ دینیہ غوثیہ، مفتی عثمان، نیپال، اور دیگر علمائے کرام کے ہاتھوں دستار حفظ و قرأت رکھی گئی۔ مولانا سید سیف الدین اصدق نالندہ کا انسان اور انسانیت کے موضوع

پر بڑاہی پر مغزاور جامع خطاب ہوا۔

از: معراج عالم نقش بندی۔ دار العلوم سلمانیہ مسلم یتیم خانہ دامودر پور مظفر پور (بہار)

اصلاح معاشرہ کی تحریک کامرکزانسان کاباطن

اصلاحِ معاشرہ کی تحریک کا مرکزاور نقطۂ آغاز انسان کا باطن ہے، انسان جب تک اندر سے نہیں بدلے گا صرف ظاہری رکھ رکھاؤ اور جذباتی نعروں سے سماج میں کوئی ٹھوس تبدیلی نہیں آنے والی ہے۔ پیغمبر اعظم ﷺ نے اپنے دور کے سب سے وحشی اور غیر مہذب انسان کوانسانی تاریخ کاسب سے بہترین انسان بنانے کے لیے اس کے باطن کواپنی ترمساعی کا نصب العین بنالیا تھا۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے، انسان کے جسم میں ایک ایسا حصہ ہے کہ اگر وہ صالح ہوتو پورا جسم صلاح و تقویٰ کا حامل بن جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے توپورا وجود فسق وفجور کا مرکز بن جاتا ہے، ان خیالات کا اظہار معروف خطیب مولانا مقبول احمد سالک مصباحی بانی و مہتمم جامعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نئ دہلی نے دار العلوم اہل سنت فیضان برکاتیہ چار کوپ کاندیولی کے زیر اہتمام منعقدہونے والی اصلاح معاشرہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔

پروگرام کا آغاز قاری محمد رفیق برکاتی کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا، اس کے بعد مداحانِ رسالت محمد مسلم رضا جھار کھنڈی، محمد کلیم مچھلی شہری اور حافظ عبد السلام قادری نے نعت و منقبت کے نذرانے پیش کیے۔ مولانا عبدالقدوس یار علوی استاذ جامعۃ الفقہیات مالونی ملاڈ نے علم کی فضیلت پر افتتاحی خطاب فرمایا۔ مولانا عبد الجبار خان صاحب ناظمِ اعلیٰ دار العلوم برکاتیہ قرطبہ جوگیشوری نے قرآن کی عظمت وبرکت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ قرآن پاک کی حفظ و تلاوت تمام دینی و دنیاوی نعمتوں کا سرچشمہ ہے۔ آخر میں ماسٹر عبد القادر نظامی انصاری بانی دار العلوم اہلِ سنت فیضانِ برکاتیہ نے تمام سامعین و حاضرین اور مہمان علماے کرام کاشکریہ اداکیا۔

از: محمد شاہد صابری، دار العلوم اہل سنت فیضان برکاتیہ، ممبئ

غاصبانہ قبضہ کے خلاف پاسبان ملت کمیٹی کی مہم

عالمی تنظیم ابناے اشرفیہ کے ضلع سرپرست و پاسبان ملت کمیٹی کے ناظمِ اعلیٰ مولانا الحاج منورحسین مصباحی نے ضلع گورکھ پور واطراف میں موقوفہ اراضی کی معلومات حاصل کرنے کے لیے حکومت وضلع انتظامیہ کو آر ٹی آئی کے تحت درخواست ارسال کرکے جواب طلب کیا ہے۔ مولانا مصباحی نے بتایا کہ افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں کے ذریعہ بیش تر وقف کی گئی اراضی پر غاصبانہ قبضہ ہے۔ کچھ جگہوں سے مصدقہ اطلاع ہے کہ غیروں سے زیادہ نام کے مسلمانوں نے وقف کی اراضی پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ اسکے خلاف اگر کوئی آواز اٹھاتا ہے تو اسے جان ومال کی دھمکی دی جاتی ہے۔ مولانا مصباحی نے کہا کہ اب انشاء اللہ غاصبوں کی دال ہرگز نہیں گلنے پائے گی۔ ایک تحریک کے تحت اس پر کام کیا جارہا ہے۔

تمام دستاویز اکٹھا کر کے صاحبِ زمین کی منشا کے مطابق دینی کام اس پر کیا جائے گا۔ ضرورت پڑنے پر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ تک ہم جاسکتے ہیں۔ از: نور الہدیٰ مصباحی، گورکھ پور

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء میں جشن جمہوریہ

آج مورخہ ۲۶ جنوری کو طلبۂ جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نے بڑے ہی تزک و احتشام کی ساتھ محفل کا انعقاد کیا، جس کی صدارت حضرت سید عظیم الدین ازہری، پرنسپل جامعہ حضرت نظام الدین اولیا نے کی اور نیابت مولانا لطف الرحمن ازہری نے انجام دی- سید عظیم الدین ازہری نے کہا کہ وطن سے محبت جزء ایمان ہے اس کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے-

محفل کا آغاز تلاوت قرآن پاک کے بعد قومی پرچم ترنگا کو فہرا کر کیا گیا، ابتدائی نعت اور قومی ترانہ کے ساتھ محترم غلام محمد اور محمد سلمان نے مترنم آواز سے حاضرین کے قلوب واذہان کو جلا بخشی-اس کے بعد محترم مولانا محمد ساجد احمد نے محب الوطن علما اور دیگر قائدین کا ذکر کرتے ہوئے مجاہد آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی قربانی کو ناقابل فراموش بتایا، ساتھ ہی انکی تعلیمات پر تمام ہندوستانیوں کو عمل پیرا ہونے کو کہا-اسلامک اسکالر اور صحافی مولانا غلام رسول دہلوی نے تحریک آزادی میں مسلمانوں کی خدمات پر ایک تحقیقی خطاب کیا- آخر میں صدر ادارہ شرعیہ دہلی نے صدارتی خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کے تعلیمی مسائل کا حل بتاتے ہوئے مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں جی توڑ محنت کرنے کی تلقین کی اور مزید کہا کہ ہم یوم جمہوریہ ابتدا سے مناتے رہے ہیں اور مستقبل میں بھی منائیں گے- حضرت سید منہاج الدین قبلہ کے دعائیہ کلمات پر مجلس کا اختتام ہوا-

از: جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، دہلی